ماہنامہ

# نقوشِ راہ

نقوشِ راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پر مسافر پریشان بیٹھے ہیں

April 21

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ
اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاس
وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِۚ

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن (اول اول) نازل ہوا جو لوگوں
کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں
اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے

## فرمان مصطفی ﷺ

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :

" إذا كان أوَّلُ ليلةٍ من شهر رمضان صُفِّدَت الشَّياطينُ، ومرَدَةُ الجنِّ،

وغُلِّقَت أبوابُ النَّار، فلم يُفتح منها بابٌ، وفُتِّحت أبوابُ الجنَّة،

فلم يُغلَق منها بابٌ، و يُنادي مُنادٍ: يا باغِي الخير أَقبل، و يا باغِي الشَّرِّ أَقصر،

ولله عُتَقاءُ من النار، وذلك كلَّ ليلةٍ".

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیطانوں اور سرکش جنوں کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں اور جہنم

کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا، اور جنت کے

دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا۔ ایک آواز دینے والا پکارتا ہے:

اے طالب خیر! آگے آ، اے شر کے متلاشی! رک جا، اور اللہ تعالیٰ کئی لوگوں کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔

ماہ رمضان کی ہر رات یونہی ہوتا رہتا ہے۔

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)


ماہنامہ

# نقوشِ راہ

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

جلد:04 شمارہ:1

اپریل 2021، شعبان المعظم/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ


## فہرست مضامین


| | | |
|---|---|---|
| اداریہ | اسامہ عظیم فلاحی | 04 |
| درسِ قرآن | ابن ہلالی | 05 |
| درسِ حدیث | محمد اکمل حیدر فلاحی | 07 |
| قرآن مجید پر غیر مسلموں کے اعتراضات | محمد عاطف آصف | 08 |
| روزے کا دین میں مقام | سید قطب شہیدؒ | 16 |
| رمضان کی منصوبہ بندی | ذکی الرحمن غازی فلاحی | 18 |
| آداب صوم | خبیب احسن فلاحی | 20 |
| صبر کی ضرورت اور اہمیت عصر حاضر میں | سید عزیز الرحمٰن | 22 |
| علم اور مطالعہ | ڈاکٹر عتیق | 26 |
| جدید دور میں طالب علم کے مسائل | مرزا اطیب بیگ | 28 |
| سورت کیس، مظلومیت کے بیس سال | پرویز نادر | 31 |
| ہمارے لیے میانمر اور سری لنکا بھی سپر پاورز..... | شاہنواز فاروقی | 33 |
| سماجی فاصلہ یا جسمانی فاصلہ | ابونشر | 36 |
| گوشۂ خواتین: روزہ اور خواتین کے مسائل | مروہ عبدالعظیم فلاحی | 38 |
| گوشۂ اطفال: کاہلی | ابوالفیض | 41 |
| اقبالیات | شیر خالد | 42 |



**چیف ایڈیٹر**

معاذ احمد جاوید

**ایڈیٹر**

ڈاکٹر محمد مبشر

**معاون ایڈیٹر**

اُسامہ عظیم فلاحی

**مجلس ادارت**

❁ پرویز نادر ❁ فیض الرحمٰن

❁ حذیفہ احمد جاوید

❁ صابر محفوظ فلاحی

**سرکولیشن منیجر**

پرویز نادر



زرتعاون

فی شمارہ:-/20

سالانہ:-/220

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printerd at Super Printing Press, Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Aprartment, Subhash Chowk, Akola.-444001

Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

# اداریہ

قرآن مجید امت مسلمہ کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔اس ہتھیار کے ذریعہ کفار ومشرکین سے جہاد بحکم خداوندی امت ہمیشہ کرتی رہی ہے۔اس لیے اہل باطل امت کو قرآنی روح سے محروم کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ وہ اپنے اس مقصد میں ہمیشہ ناکام ثابت ہوئے ہیں۔

نبی آخرالزماںؐ نے جب قرآن مجید کے ذریعہ کفار کے عقائد اور جاہل رسومات پر ضرب لگانی شروع کی تو سماج میں ایک شدید قسم کی کشمکش پیدا ہوئی۔ باطل عقائد جب ریت کی دیوار ثابت ہونے لگے اور کفار کو اپنی چودھراہٹ جاتی نظر آئی تو مفاہمت کا راستہ بھی اختیار کرنے کی کوشش کی۔اس کے لیے انہوں نے جو شرائط آپؐ کے سامنے پیش کیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ موجودہ قرآن کی جگہ کوئی اور کتاب لاؤ یا پھر اس میں تبدیلی کردو۔اللہ کے رسولؐ کو حکم دیا گیا کہ اعلان کردو! قرآن مجید میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کا اختیار مجھے نہیں ہے،میرا کام صرف وحی الٰہی کی پیروی ہے۔

وقفہ وقفہ سے کفار اور دشمنان اسلام کی جانب سے اس طرح کی کوششیں ہوتی رہی ہیں کہ قرآن مجید میں تبدیلی کردی جائے یا پھر اس میں سے کچھ حصہ حذف کردیا جائے۔آج سے بیس سال قبل بھارت کی ایک انتہا پسند ہندو تنظیم نے قرآن مجید کی تقریباً ۲۵ سے زائد قرآنی آیات کو حذف کرنے کا مطالبہ کیا تھا لیکن اسے منھ کی کھانی پڑی،لیکن اس دفعہ باطل نے ایک دوسرا طریقہ آزمانے کی کوشش کی ہے۔ایک غدار ملّت،جس کو امت نے اسلام سے خارج کردیا ہے،وسیم رضوی کے ذریعہ ایک ناکام کوشش کی گئی اور بھارتی سپریم کورٹ میں درخواست دائر کرکے قرآن مجید سے ۲۵ سے زائد آیات کو حذف کرنے کی مانگ کی گئی۔

امت مسلمہ ہند میں اس شرارت پر بے چینی پائی جارہی ہے جو کہ ایک فطری بات ہے۔اس موقع پر متفقہ طور پر ملّت کی جانب سے باشندگان ہند کو یہ پیغام جانا چاہیے کہ جب وقت کا نبی قرآن مجید سے کسی آیت کو حذف کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا ہے تو اس کے سامنے سپریم کورٹ کی کیا حیثیت ہے۔سپریم کورٹ کو اپنا وقار بچانا ہے تو پہلے ہی مرحلے میں اس درخواست کو رد کردے،یہ اس کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔

اس موقع پر امت مسلمہ کو مجموعی طور پر قرآن کے تئیں اپنے موجودہ رویہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔دن بدن ہمارا رشتہ کتاب الٰہی سے کمزور ہوتا جارہا ہے۔قرآن مجید امت کا مرکز قوت (Power House) ہے۔اس مرکز قوت سے ہماری وابستگی جتنی مضبوط اور شعوری ہوگی اتنی ہی اپنی ذمہ داریوں کے تئیں ہم حساس ہوں گے اور امت کے عروج کا سفر مزید بہتر ہوگا۔

قرآن مجید سے استفادہ اور اس سے قوت حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ تقویٰ ہے۔تقویٰ کی صفت سے عاری فرد قرآن سے طاقت وقوت کبھی بھی حاصل نہیں کرسکتا۔تقویٰ دراصل محبت الٰہی کو اختیار کرنے اور اس کے غضب سے بچنے کا نام ہے۔ہماری زندگی میں تقویٰ کی جس قدر فراوانی ہوگی قرآن مجید اپنی رہنمائی کے دروازے اتنا ہی کھولتا جائے گا اور جس قدر ہم تقویٰ سے محروم ہوں گے قرآن مجید اتنا ہی ہماری زندگیوں سے غائب ہوگا۔

رمضان المبارک کی آمد آمد ہے۔اسلامی مہینوں میں سب سے بابرکت رمضان المبارک کو قرار دیا گیا ہے۔اس مہینے کے روزے امت پر فرض کئے گئے ہیں۔اس ماہ کے روزوں کا بنیادی مقصد تقویٰ کی آبیاری ہے،چونکہ اس ماہ میں قرآن مجید کا نزول ہوا جو کہ کتاب ہدایت اور سرچشمہ رحمت ہے۔اس لیے اس ماہ میں قرآن مجید سے وابستگی اور اس میں غور وفکر کرکے رہنمائی کا حصول دیگر مہینوں کے مقابلے میں زیادہ آسان ہوگا۔قرآن مجید کی رمضان المبارک سے اس مناسبت کو سامنے رکھ کر ہمیں خصوصی تیاری کرنی چاہیے۔فتنوں کے اس دور میں اپنے ایمان کی حفاظت اور باطل سے مقابلے کے لیے تقویٰ اور قرآن مجید سب سے بڑے ہتھیار ہوں گے۔

(اسامہ عظیم فلاحی)

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

# غلبہ دین کی جدوجہد میں آزمائشیں اور مؤمنین کا رویہ

ابن ھلالی

وَلاَ تَقُولُواْ لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِن لاَّ تَشْعُرُونَ (۱۵۴) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الأَمَوَالِ وَالأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (۱۵۵) أَلَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُواْ إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (۱۵۶) أُولَـئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (۱۵۷) (البقرۃ)

## ترجمہ:

اور جو لوگ راہ خدا میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں، مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا اور ہم ضرور تمہیں خوف وخطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے آزمائیں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت آن پڑے تو کہیں کہ "ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے"، انہیں خوشخبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ان پر سایہ فگن ہوگی اور ایسے ہی لوگ صحیح راستہ پر ہیں۔

---

**ربط:**

گزری آیات میں اللہ تعالیٰ یہود کے جرائم بیان کرنے کے بعد دنیا کی امامت وسیادت سے ان کی معزولی کا اعلان کرتا ہے، اور اب خدائی پیغام کی نشر واشاعت اور اس کے غلبہ کی جدوجہد کی ذمہ داری امت مسلمہ پر ڈالی جاتی ہے، دنیا کی اس عظیم ترین ذمہ داری کی ادائیگی کا راستہ آسان نہیں ہوگا۔ اس راہ میں مالی اور افرادی قلت کی آزمائش کے ساتھ ساتھ جان کی قربانی بھی دینی پڑے گی۔ مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی جانب امت مسلمہ کو توجہ دلائی ہے۔

❁ اللہ کی راہ میں موت زندگی کا پیغام ہے۔ یہ موت ہمیشہ تحریکوں کے لیے زندگی کا پیغام ہوتا ہے، نیز تحریک اسلامی کے مخلص اور کھوٹے افراد میں پہنچان کا سب سے کڑا مرحلہ میدان جنگ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی بھی اپنے دین کے غلبہ کا کام کھوٹے افراد سے نہیں لے گا۔ وہ انہیں چھانٹ کر الگ کر کے رہے گا۔ چنانچہ جو لوگ اس مرحلہ میں ثابت قدم رہتے ہیں اور شہادت پاتے ہیں ان کا مقام سب سے بلند ہوتا ہے۔

❁ موت کا تصور انسان کے لیے ہمت توڑنے والا ہوتا ہے۔ اس لیے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ شہداء کو مردہ کہا جائے کیوں کہ اس سے تحریک اسلامی کے افراد میں جذبہ جہاد اور سرفروشی کی تمنا سرد پڑنے کا امکان ہے۔ اس کے برخلاف اہل ایمان کو تلقین کی جارہی ہے کہ وہ راہ خدا میں جان لٹانے والوں کو زندہ سمجھیں۔ شہداء کی یہ زندگی کیسی ہوتی ہے اللہ نے اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا۔

❁ راہ خدا میں اہل ایمان کی آزمائش اللہ کی سنت ہے۔ یہ سنت اللہ نے اہل ایمان اور اہل کفر میں امتیاز کے لیے مقدر کر رکھی ہے۔ آزمائشوں سے گزر کر ہی بندوں کی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں اور ان کے کھرے اور کھوٹے میں امتیاز ہوتا ہے۔ اس امتحان کے بغیر کوئی گروہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پانے کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

❁ اس سلسلے میں سب سے پہلے خوف کا ذکر فرمایا ہے ۔خوف سے مراد دشمنوں کے حملے کا اندیشہ ہے ۔ان آیات کے نزول کے وقت قریش مسلمانوں پر حملے کی دھمکی دے رہے تھے اور اس کے لیے بہانے تراش رہے تھے ۔ دوسری طرف یہود کی ریشہ دوانیاں بھی دن بدن سامنے آرہی تھیں ۔ یہ سلسلہ اس وقت ختم ہوا جب مسلمانوں نے عزیمت و استقامت سے تمام باطل طاقتوں کا زور توڑ دیا۔

ایسا نہیں کہ خوف کا معاملہ بہت زیادہ اور لامتناہی ہوگا ۔ یہ بہت تھوڑا سا ہوگا جو اہل ایمان کی عزیمت اور استقامت جانچنے کے لیے کافی ہو۔ اس لیے خوف کے مارے پست ہمت ہونے کے بجائے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے ۔

❁ دوسرا ذکر جوع کا کیا ہے ۔اسلامی تحریک کے استقامت کو جلا بخشنے کے لیے اسے معاشی مشکلات سے بھی دو چار کیا جاتا ہے ۔مشرکین مکہ اور یہود کے ذریعہ اہل ایمان کو اس مشکل مرحلہ سے بھی گذارا گیا ۔بعض موقعوں پر یہ آزمائش انتہائی سخت ہوئی لیکن عزم و ایمان کے مقابلے میں یہ بہت معمولی ٹھہرا۔

❁ اس کے بعد اموال و انفس یعنی مال اور جان کی کمی کی آزمائش کی طرف اشارہ فرمایا۔اس لیے کہ جنگ و جہاد میں یہی دو چیزیں وسیلۂ کار بنتی ہیں جس کی وجہ سے سب سے زیادہ انہیں کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے ۔اہل ایمان اس مرحلہ میں بھی اپنے ایمان کی بدولت سرخرو ہوتے ہیں ۔

❁ آخر میں ان لوگوں کو خوشخبری دی گئی ہے جو ان تمام آزمائشوں کے باوجود حق پر جمے رہیں اور اپنے عزم و ایمان میں کوئی کمزوری پیدا نہ ہونے دیں ۔ یہ صابرین آزمائشوں کا مقابلہ بددلی اور پست ہمتی کے ساتھ نہیں کرتے بلکہ عزم و استقلال کے ساتھ کرتے ہیں ۔ یہاں جو ان کا قول نقل ہوا ہے وہ ان کے اس عقیدے کا اظہار ہے جس کی چٹان پر صبر و استقامت کی عمارت قائم ہوتی ہے ۔ اس عقیدے کا ایک جزو تو یہ ہے کہ آدمی اس بات پر ایمان رکھے کہ وہ اس دنیا میں اللہ ہی کا ہے اور اللہ کے لیے ہے اور اس کا دوسرا جزو یہ ہے کہ مرنے کے بعد اس کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے ۔جو شخص ان دو حقیقتوں پر مضبوط ایمان رکھتا ہے کوئی بڑی سے بڑی مصیبت بھی اس کے قدم کو جادۂ حق سے ہٹا نہیں سکتی ۔ یہی کلمہ صابرین کی ڈھال ہے اور اس پر وہ مصیبت کے ہر وار کو روکتے ہیں ۔ بندۂ مومن راہ خدا میں یہی نعرہ لگاتا ہوا اپنے رب کے لیے دریا اور پہاڑ سے بھی لڑ جاتا ہے ۔وہ سب کے قدم اکھاڑ دیتا ہے لیکن اس کے قدم کو کوئی چیز بھی اکھاڑ نہیں پاتی ۔

❁ آخری آیت میں اللہ تعالیٰ مؤمنین مجاہدین کے لیے اپنی الطاف و عنایات کا اعلان کرتا ہے ۔ یہ الطاف و عنایات اور رحمت کی بارش ان پر دنیا میں بھی ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ۔ان الطاف و عنایات کے حصول کا راستہ راہ خدا میں جان و مال کی قربانی اور مشکلات و آزمائش میں صبر و استقامت سے ہو کر گذرتا ہے ۔ * * *

## ﴿فکر مودودی﴾

انقلاب یا ارتقاء ہمیشہ قوت ہی کے اثر سے رونما ہوا ہے اور قوت ڈھل جانے کا نام نہیں ہے ڈھال دینے کا نام ہے، مڑ جانے کو قوت نہیں کہتے موڑ دینے کو قوت کہتے ہیں ۔ دنیا میں کبھی نامردوں اور بزدلوں نے کوئی انقلاب پیدا نہیں کیا ۔ جو لوگ اپنا کوئی اصول، کوئی مقصد حیات، کوئی نصب العین نہ رکھتے ہوں، جو کسی بلند مقصد کے لئے کوئی قربانی دینے کا حوصلہ نہ رکھتے ہوں، جن کو دنیا میں محض آسائش و سہولت ہی مطلوب ہو، جو خطرات اور مشکلات کے مقابلے کی ہمت نہ رکھتے ہوں ایسے لوگوں کا کوئی قابل ذکر کارنامہ تاریخ میں نہیں پایا جاتا ۔ تاریخ بنانا صرف بہادر مردوں کا کام ہے انہی نے اپنے جہاد اور قربانیوں سے زندگی کے دریا کا رخ پھیرا ہے، دنیا کے خیالات بدلے ہیں، مناہج عمل میں انقلاب برپا کیا ہے اور زمانے کے رنگ میں رنگ جانے کے بجائے زمانے کو خود اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے ۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

# غیبت ایک خطرناک سماجی برائی

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: أتدرون ما الغيبة؟ قالوا الله ورسوله أعلم! قال: الغيبة ذكرك أخاك بما يكره، قيل أفرأيت إن كان في أخي ما أقول؟ قال: إن كان فيه ما تقول فقد اِغْتَبْتَهُ، و إن لم يكن فيه ما تقول فقد بَهَتَّهُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:

حضرت ابوھریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا اپنے کسی بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جس سے اس کو ناگواری ہو، بس یہی غیبت ہے، کسی نے عرض کیا حضرت! اگر میں اپنے بھائی کی کسی ایسی برائی کا ذکر کروں جو واقعۃً اس میں ہو تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غیبت جب ہی ہوگی جب کہ وہ برائی اس میں موجود ہو اور اگر اس میں وہ برائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے تو پھر تو یہ بہتان ہے جو غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے۔

مسلم معاشرے میں عدل وانصاف، امن وسکون محبت والفت اور اتحاد و اتفاق قائم رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان تمام کاموں سے روک دیا ہے جس سے مسلمانوں کے درمیان نفرت، ایک دوسرے سے دشمنی اور معاشرے میں فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہو، ان ہی برائیوں میں سے ایک سخت ترین برائی اپنے کسی بھائی کی غیبت کرنا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسلمانوں تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے، بلکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیوں کہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ (سورۃ الحجرات، آیت: ۱۲)

ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت! غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت کیونکر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بات یہ ہے کہ آدمی اگر بدبختی سے زنا کرلیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اس کو معافی اللہ کی طرف سے ہوسکتی ہے، مگر غیبت کرنے والے کو جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی اس نے غیبت کی ہے، اس کی معافی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوگی۔

کسی کی غیبت کرنا چونکہ بہت سخت گناہ ہے، لہٰذا آخرت میں اس کی سزا بھی بہت سخت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب میں معراج پر گیا تو میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن سرخ تانبے کے تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ نوچ کر زخمی کر رہے تھے، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہیں؟ جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں اپنے لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے یعنی اللہ کے بندوں کی غیبتیں کیا کرتے تھے اور ان کی عزت سے کھیلتے تھے۔

لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم ایک دوسرے کی غیبت کرنے سے بچیں، اور اگر ہم نے کسی کی غیبت کی ہے تو اس سے دنیا ہی میں معافی مانگ لیں اور ہم اپنی زندگی کا اصول بنالیں کہ کسی کی غیبت نہ کریں گے، اور اگر ہم کسی کے اندر کوئی برائی دیکھیں تو بہتر طریقہ یہ ہے کہ اصلاح کے ارادے سے تنہائی میں اس کو اس برائی کے بارے میں بتادیں کہ وہ اپنے اندر سے اس برائی کو دور کرلے اور کسی دوسرے سے اس برائی کا ذکر نہ کریں، کیوں کہ ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں کسی دوسرے کے عیوب کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب کو چھپائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین * * *

# قرآن مجید

# پر غیر مسلموں کے اعتراضات

محمد عاطف آصف (متعلم جامعۃ الفلاح)

قرآن مجید پر غیر مسلموں کے اعتراض بنیادی طور پر دو نوعیت کے ہیں، پہلا نصوص قرآن یا متن قرآن سے متعلق ہے جس کے تحت گفتگو کا محور یہ ہوگا کہ قرآن مجید کا سرچشمہ کیا ہے اور کیا قرآنی متن نزول سے اب تک ہو بہو محفوظ ہے یا اس میں کچھ کمی زیادتی ہوئی ہے۔ قرآن پر دوسری نوعیت کے اعتراض کا تعلق قرآنی تعلیمات سے ہے کہ آیا اس کی تعلیمات انصاف اور حقائق پر مبنی ہیں یا اس کے برعکس ظلم وزیادتی یا کذب وافتراء پر۔ جہاں تک نصوص قرآن کا تعلق ہے تو نزول سے لیکر عصر حاضر تک ہر دور میں ایسے افراد اور جماعتوں کا مشاہدہ کیا گیا ہے جنہوں نے اس کے اصل سرچشمہ یعنی وحی الٰہی کی نفی کی اور یہ ثابت کرنے میں پورا زور لگا دیا کہ قرآن مجید ربانی نہیں بلکہ انسانی تخلیق ہے، اور حضرت محمدؐ کے ذاتی تخیلات پر مبنی ہے۔ مشہور مستشرق جارج سیل لکھتا ہے:

''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن کے مصنف یا اس کتاب کو افتراء کرنے والے محمد ﷺ ہیں، اگرچہ اس بات کا غالب امکان موجود ہے کہ اس منصوبے میں ان کو دوسرے لوگوں سے جو مدد ملی وہ کم نہ تھی۔

دیانند سرسوتی جو ہندو مذہب کے بڑے عالم ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''مسلمان لوگ ایسا کہتے ہیں کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے، لیکن اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی دوسرا ہے۔ کیونکہ اگر خدا کا بنایا ہوا ہوتا تو شروع ساتھ نام اللہ کے ایسا نہ کہتا، بلکہ شروع واسطے ہدایت انسانوں کے کہتا''۔

اسی طرح حضرت صالحؑ کی اونٹنی کے واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''بھلا اس بات کو کون مان سکتا ہے کہ پتھر سے کوئی اونٹنی نکلے، لوگ بے علم تھے کہ انھوں نے اس بات کو مان لیا، اونٹنی کی نشانی دینا صرف بے علموں کا کام ہے نہ کہ خدا کا۔ اگر یہ کتاب کلام الٰہی ہوتی تو ایسی بے معنی باتیں اس میں نہ ہوتیں''۔

مستشرق منٹگمری واٹ نے قرآن مجید کو تخلیقی تخیلات کی پیداوار (The Product of creative imagination) قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بات معلوم کرنے کے لیے کہ قرآن خدا کا کلام ہے یا بشر (محمدؐ) کا، جب ہم خود قرآن مجید کا رخ کرتے ہیں تو قرآن بہ بانگ دہل یہ اعلان کرتا ہے کہ یہ قرآن کلام الٰہی ہے نہ کہ کلام بشر۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیتیں ملاحظہ فرمائیں:

''ہم نے (اللہ) ہی قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا ہے''۔ (دھر: ۲۳)، ''الم یہ روشن کتاب کی آیات ہیں، ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو'' (یوسف: ۱، ۲)، ''ان سے کہو جو کوئی جبریل سے عداوت رکھتا ہے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ جبریل نے اللہ کے اذن سے یہ قرآن تمھارے قلب پر نازل کیا ہے'' (بقرۃ: ۹۷)، ''یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے، ایک محفوظ کتاب میں ثبت ہے اسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا، یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے'' (واقعہ: ۷۷ تا ۸۰)۔

یہ اور اس طرح کی متعدد آیتیں ہیں جو یہ بتلا رہی ہیں کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، ڈاکٹر امین حسن محمد کی تحریر کے مطابق قرآن مجید واضح طور پر دلالت کر رہا ہے کہ اس کا اور آپؐ کا تعلق کسی بھی ناحیت سے مصنف اور تصنیف کا سا نہیں ہے بلکہ بارہا قرآنی آیات یہ صراحت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں کہ حضرت محمدؐ محض ایک عام انسان ہیں جن سے ذات الٰہی مخاطب ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے:

''اے نبی جب تم ان لوگوں کے سامنے کوئی آیت پیش نہیں کرتے تو یہ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے لیے کوئی آیت کیوں نہ انتخاب کر لی، ان سے کہو میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب نے میری طرف بھیجی ہے (اعراف: ۲۰۳)۔

یہ آیت صراحتاً یہ بتلا رہی ہے کہ وحی یعنی قرآن اللہ کا کلام ہے نہ کہ حضرت محمد ﷺ کا یہی وجہ ہے کہ وہ بس وہی باتیں بتلا سکتے ہیں جو انہیں بتلائی جاتی ہیں۔خود اپنی طرف سے کلام الٰہی بتاتے ہوئے کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔

قرآن کے انسانی کلام نہ ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں حالات کے بالکل برعکس مستقبل کے ایسے امور و واقعات کی پیشن گوئی کی گئی ہے اور ایسے ایسے سائنسی انکشافات کا تذکرہ کیا گیا ہے جو آج سے چودہ صدی پیشتر کسی انسان کے ذہن میں آنا صدفی صد ناممکن بات ہے۔روم کے مغلوب ہونے کی پیشن گوئی (روم:۱)، مسجد حرام میں داخل ہونے کی پیشن گوئی (فتح: ۲۷) وغیرہ اور اسی طرح ارتقاء جنین کا مرحلہ (حج: ۵)، تمام سیاروں کا گردش کرنا (یٰس:۴۰) اور اس طرح کے متعدد واقعات اس کے کلام الٰہی ہونے کا بین ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ڈاکٹر موریس بوکائے اپنی تصنیف قرآن، بائبل اور سائنس میں لکھتے ہیں کہ: ''قرآن کا مصنف اگر کوئی انسان ہوتا تو ساتویں صدی مسیحی میں وہ ایسی باتیں کیسے لکھ سکتا تھا جو دور جدید کے سائنسی تحقیقات کی رو سے بالکل درست ہیں۔۔۔۔یہ بات ممکن ہی نہیں ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں کسی انسان کی معلومات ہزار سال بعد ہماری علمی سطح سے زیادہ وسیع اور جدید تر ہوں۔ مولانا وحید الدین خان نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف مذہب اور جدید چیلینج میں اس موضوع پر کافی دلکش اور علمی گفتگو کی ہے۔

ان سب کے علاوہ اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل اس کا اعجازی اسلوب ہے، حجۃ الاسلام مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی فرماتے ہیں کہ اس قرآن میں عجیب تراکیب، نادر اسلوب، آیات کے آغاز و انتہاء کا انداز، اس کے علم بیان کے دقائق اور عرفانی حقائق پر مشتمل انکشافات، حسن عبارت، پاکیزہ اشارے، سلیس تراکیب اور بہترین تراکیب موجود ہیں۔ان تمام صنعات کو یکجا دیکھ کر انسان یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ خدا ہی کا کلام ہے اور اس کا اعجاز اور فصاحت و بلاغت اس درجے تک پہنچا دی گئی ہے کہ کوئی بھی اس پر سرقہ کا اتہام نہ لگا سکے اور کوئی انسان اس اسلوب تک پہنچنے کے قریب نہ ہو سکے۔پھر اگر قرآن آپؐ کا کلام تھا تو اسے اللہ کے رسول نے خود کی طرف ہی کیوں نہ منسوب کر دیا۔ پورے مکہ میں آپ صادق و امین کے نام سے جانے جاتے تھے، ہر کوئی آپ پر یقین کرتا تھا تو ایسی صورت میں اگر آپ یہ کلام خود کی طرف منسوب کرتے تو آپ کی عزت و وقار اور بڑھ جاتا اور پورا عرب آپ کی عربی دانی کا معترف ہو جاتا لیکن ایسا کرنے سے کون سی چیز مانع تھی۔یہ سب حقائق قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل پیش کر رہے ہیں۔

اعدائے اسلام نے جب قرآن حضرت محمدؐ کی تصنیف قرار دی تو اس کا لازمی تقاضہ تھا کہ وہ اس بات کی تعیین کرے کہ جب قرآن وحی الٰہی نہیں ہے تو محمدؐ نے اسے کہاں کہاں سے استفادہ کر کے مرتب کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے درج ذیل چیزوں کو قرآن مجید کا سرچشمہ قرار دینے کی کوشش کی۔

## وحی نفسی اور کیفیت صرع کا اثر:

مستشرقین قرآن مجید کے بشری کلام ہونے کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ آپ جسے وحی الٰہی سمجھتے تھے حقیقت میں وہ کوئی وحی الٰہی نہیں ہوتی تھی بلکہ ایک لمبے عرصے تک غار حراء میں جا کر غور و فکر کرنے کا نتیجہ تھی۔اس غور و فکر کے نتیجے میں آپ اپنی اندرون کی آواز کو فرشتوں کی آواز سمجھ بیٹھے۔ مشہور مستشرق منٹگمری واٹ لکھتا ہے ''جس چیز کو محمدؐ نے باہر سے آتے ہوئے محسوس کیا (کہ وحی ہے) وہ حقیقت میں ان کے اپنے اندر کے خیالات اور ان کی ذاتی سوچ تھی'' مزید جرمن مستشرق تھیڈو نولڈیکے نے یہ دعوی کیا ہے کہ آپ کو صرع (مرگی) کا عارضہ لاحق تھا اور آپ اس کیفیت میں جو بھی کہتے تھے اسے وحی (قرآن) سمجھ لیا گیا، اس کا کہنا ہے کہ آپ کو یہ عارضہ آغاز جوانی سے ہی لاحق تھا اور جس کو یہ بیماری لاحق ہو جاتی تھی، عرب قبائل اسے ایک طرح کا مجنون کہا کرتے تھے۔

معترضین کے برعکس خود قرآن کی اپنی شہادت یہ ہے کہ یہ قرآن خدا کی جانب سے حضرت جبریل آپ کے قلب مبارک پر نازل کرتے تھے (شعرا: ۱۹۳۔ ۹۴) اور پھر اگر قرآن مجید اللہ کے رسول کے اندورن کی آواز ہوتی تو یہ کیوں کر ممکن ہوتا کہ آپ حالات کے بالکل برعکس مستقبل کی کوئی پیشن گوئی کریں اور وہ بالکل صحیح ثابت ہو جیسا کہ ہم نے پیچھے حقانیت قرآن کے ضمن میں بیان کیا ہے۔اور اگر قرآن حضرت محمد ﷺ کے خیالات کا مجموعہ ہوتا تو آپ خود سخت انداز میں اپنی ہی گرفت کیوں فرماتے؟ جیسے سورہ بقرہ کی آیت میں ہے کہ ''اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے اجازت کیوں دی (بقرہ)''، ''اے رسول آپ نے ان چیزوں کو حرام کیوں کر دیا جسے اللہ نے حلال قرار دیا ہے''۔(تحریم:۱)

اور پھر وحی کا نزول آپ پر ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ ۲۳ رسال تک سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں مرتبہ ہوتا رہا ہے۔کیا اس پورے عرصے میں معاذ اللہ آپ اسی مغالطے میں مبتلا رہے کہ قرآن وحی الٰہی ہے؟

رہے وہ لوگ جنہوں نے قرآن کا مصدر صرع کی کیفیت کو قرار دیا ہے اور آپ کو مجنون ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تو ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ قرآن کا مطالعہ جا بجا آپ کے کسی بیماری میں مبتلا ہونے یا ان کے بقول آپ پر جنون طاری کرنے کی نفی کرتا ہوا نظر آتا ہے، قرآن کہتا ہے کہ آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں ہیں (القلم: ۲)۔ مزید اگر عقلی اور تاریخی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس کے اعتراضات کا کھوکھلا پن اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔آپ کے معاصرین آپ کی بعثت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اس مرض (صرع) اور اس کی علامات سے واقف تھے۔صحیح حدیث میں ہے کہ ازدشنوءۃ سے ضماد نامی ایک شخص مکہ آیا جسے صرع کا عارضہ تھا۔اب اگر مستشرق کے بقول آپ کو یہ مرض نوجوانی سے ہی لاحق تھا اور آپ کو نبوت چالیس سال کی عمر میں دی گئی تو آخر نبوت سے پہلے اہل مکہ اور مشرکین آپ کے اس مرض سے بے خبر کیسے تھے؟ آخر کیوں کسی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ایسا مرض جس کی علامات سے ہر کوئی واقف ہو اور جو مرض بدنام زمانہ ہو ایک عرصے تک ایک شخص کو لاحق رہے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔مزید آپؐ سے جوانی میں قرآن کی طرح کا کوئی کلام کیوں صادر نہیں ہوا؟ کیوں آپ پر وحی چالیس سال کی عمر کے بعد نازل ہوئی؟ پہلے کیوں نہیں ہوی؟ یہ تمام ثبوت اور حقائق اس کے دعوؤں کی بیخ کنی کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔نولڈیکے نے نہ جانے کس بنیاد پر یہ بھی کہہ دیا کہ آپؐ نے خود اپنے جنون کا اعتراف کیا ہے۔ڈاکٹر رضا محمد اللہ قیقی نے اس کے اعتراض اور اس کے جواب پر بڑی ہی مدلل گفتگو پیش کی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں الوحی الی محمدؐ کی پہلی جلد۔

## شعر گوئی اور جاھلی شعراء سے استفادہ:

معاندین اسلام یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ شعر وسخن سے اچھی طرح واقف تھے اور جاہلی شعراء کے کلام نے آپ کو قرآن مجید کے تیاری میں کافی تعاون کیا۔نکلسن کا خیال ہے کہ محمد ان شعراء (عرب کے عام شعراء) کی طرح نہ تھے، اگرچہ وہ انہی میں سے تھے، لیکن انہوں نے ظاہر کیا کہ وہ ایسے نہیں تھے۔ریچرڈ بیل کہتا ہے ''وہ شاعر تھے، لیکن عام عربوں کے انداز کے شاعر نہ تھے، کیوں کہ ان کے مذہب اور نیکوں کاری کا خیال عام شاعروں کی طرح کا نہیں تھا''۔عصر حاضر میں اس خیال کا پرزور حامی میکسم روڈنسن ہے جس نے اپنی کتاب اسلام اینڈ کیپٹلزم میں اس پر چرچا کی ہے۔گویا ان سب کا خیال ہے کہ حضرت محمدؐ کے اندر کہیں نہ کہیں ایک شاعر موجود تھا۔

مستشرقین کے تاثر کے برعکس قرآن کا اعلان یہ ہے کہ یہ کسی شاعر یا کاہن کا کلام نہیں ہے۔قرآن کہتا ہے کہ وہ (قرآن) شاعر کا کلام نہیں ہے تم ذرا بھی ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہی وہ کاہن کا کلام ہے تم ذرا بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے، وہ سارے جہان کے رب کی جانب سے نازل کردہ کلام ہے (حاقہ ۴۱ تا ۴۳)۔اور پھر کیا قرآن مجید کا مقابلہ بڑے سے بڑا شاعر کرسکتا ہے؟ اگر قرآن کسی شاعر کا کلام ہے تو دنیا کے بڑے سے بڑے نامور شعراء اس جیسا کلام پیش کرنے سے کیوں عاجز رہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کا سامنا نہ کوئی شاعر کرسکتا ہے اور نہ ہی نثر نگار۔اس لئے کہ قرآن کا اسلوب نہ تو شاعرانہ ہے اور نہ ہی منثور، بلکہ قرآن خود آپ اپنا ایک انوکھا اور معجزہ کن اسلوب رکھتا ہے۔طہ حسین نے سچ لکھا ہے کہ ''کلام کی تین قسمیں ہیں: (۱) نثر (۲) نظم (۳) قرآن مجید''۔یہی وجہ ہے کہ عتبہ ابن ربیعہ جیسا اسلام دشمن شخص بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے جو نہ شعر ہے نہ کہانت۔(حدیث)

ان کے علاوہ بعض اسلام مخالف نام نہاد محققین کا کہنا ہیکہ آپ خود تو شاعر نہیں تھے البتہ آپ نے جاہلی شعراء سے قرآن کی تصنیف میں خاصا تعاون حاصل کیا ہے۔فرانسیسی مستشرق کلیمنٹ ہارٹ دعوی کرتا ہیکہ قرآن مجید میں امیہ ابن ابی الصلت کے اشعار سے استفادہ واضح طور پر نظر آتا ہے، بلاشیر کا بھی یہی خیال ہے۔مثال کے طور پر انہوں نے سورہ قمر کی آیت ۶/۷، سورہ ملک کی آیت ۸/۹ کو جن میں بعث بعد الموت، حشر، قیامت، اور جزاء و سزا کی باتیں کہی گئی ہیں درج ذیل اشعار سے ماخوذ قرار دیا ہے:

و یوم موعد هم ان یحشروا زمرا
یوم التغابن اذا لا ینفع الحذر
مستوسقین مع الداعی کانهم
و رجال الجراد زفته الریح تنتشر
و ابرزوا بصعید مستوجرز
و انزل العرش و المیزان و الزبر

و حو سبوا بالذی لم یحصه احد منهم و فی مثل ذالک الیوم معتبر

قرآن پر اعتراض کرنے والے یہ مستشرقین اگر ذرا بھی غور کرتے تو انہیں ان اشعار اور امیہ کی طرف اس کی نسبت کا جعلی ہونا بالکل صاف نظر آجاتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا شدید دشمن تھا۔ وہ اسلام اور اہلیان اسلام کی ہجو اور نفرت سے بھرے اشعار کہا کرتا تھا۔ بدر میں ہلاک مشرکین کی خاطر اس نے مرثیہ بھی کہا تھا۔ آخر اس کے اندر اسلامی تعلیمات اور نبوی پیغام کے تئیں اتنا یقین کہاں سے آگیا کہ قیامت واقع ہوگی، اس دن انصاف ہی انصاف ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ آپ اس ناحیت سے بھی دیکھیں کہ مشرکین مکہ جو آپ کو شاعر، کاہن اور مجنوں کا لقب دینے سے باز نہیں آئے تو کیسے ممکن ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کی امیہ کے اشعار سے مشابہت کو نظر انداز کر دیا ہو اور پھر یہ بھی تو ممکن ہے کہ قرآن کو مدنظر رکھ کر اس نے یہ اشعار کہے ہوں، گرچہ یہ بات کہنا بھی غیر معقول ہے اور اگر یہ سمجھا جائے کہ اس نے قرآن کے چیلینج کو قبول کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تو اس کے جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر ثناء اللہ ندوی صاحب لکھتے ہیں ''پھر قرآن کے جواب میں اگر یہ اشعار کہے گئے ہوتے تو دونوں کی تعبیرات یکساں نہ ہوتی، کیوں کہ شاعر کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس کی تخلیقات کو تصنع سے پاک رکھا جائے، یہی وجہ ہے کہ اشعار کی امیہ کی طرف نسبت پر شک کیا گیا ہے''۔ مستشرقین نے بعض آیات کو امرأ القیس کے اشعار سے بھی ماخوذ قرار دیا ہے ''کلام رب العالمین'' نامی کتاب جو کہ قرآن مجید کے مصنفین کے رد میں لکھی گئی ہے اس میں اس اعتراض کا واضح اور مدلل رد کیا گیا ہے۔ اس بابت صاحب کتاب لکھتے ہیں'' قارئین کو یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ ان اشعار کا کوئی وجود سرے سے عربی زبان و ادب کی کتابوں میں پایا ہی نہیں جاتا، دیوان امرأ القیس کی مختلف طباعت موجود ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ اشعار موجود نہیں ہیں''۔ آگے صاحب کتاب نے اس موضوع پر مفصل گفتگو کی ہے۔

## یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ:

اسلام مخالف عناصر نے یہ دعویٰ بھی پیش کیا ہے کہ آپ نے قرآن مجید کے بیشتر مواد یہودیت اور نصرانیت سے اخذ کیا ہے۔ مشہور مستشرق گستاؤ لیبان کا خیال ہے کہ آپ اپنے چچا کے ساتھ شام کے سفر پر روانہ ہوئے تو راستے میں ان کی ملاقات بحیرہ نامی نصرانی راہب سے ہوئی اور آپ نے اس سے تورات کا علم سیکھا۔ اس کا یہ بھی خیال ہے کہ آپ نے حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی ورقہ ابن نوفل سے بھی ملاقات کی اور ان سے بھی سابقہ شریعت کی تعلیم حاصل کی۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ آپ نے ان اہل کتاب سے بھی علم سیکھا جو عرب کے آس پاس رہتے تھے یا سفر کی غرض سے آیا جایا کرتے تھے۔ مزید ان کا یہ بھی خیال ہے کہ آپ اپنے صحابہ جیسے بلال حبشی، صہیب رومی اور ماریہ قبطیہ وغیرہ سے بھی یہودیت اور نصرانیت کی تعلیم حاصل کی جس کی مدد سے قرآن کی تصنیف کی۔

ان لوگوں کی خدمت میں ہمیں عرض یہ کرنا ہے کہ تعلیم کا مرحلہ کوئی ایسا مرحلہ نہیں ہے کہ ایک ہی نشست میں مکمل ہو جائے، یا یہ کہ اتنی خاموشی اور راز داری سے ہو جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو بلکہ حصول تعلیم کا مرحلہ تب پورا ہوتا ہے جب ایک مدت دراز اس کے لئے لگا دی جائے اور متعدد اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا جائے۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ آپ نے بحیرہ یا ورقہ یا دیگر کسی شخص سے تعلیم حاصل کی ہے تو یہ بات ضرور بالضرور زبان زد عام ہو جاتی کہ محمد نے فلاں شخص کو اپنا معلم بنایا ہے۔ اس کے برعکس تاریخی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو آپ کی پوری زندگی میں کہیں بھی اور کبھی بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے یہود و نصاریٰ یا کسی کے سامنے بھی زانوئے تلمذ طے کیا ہو۔ رہی بحیرہ سے ملاقات کی روایت تو مسلم مصنفین نے اسے روایتاً بھی حد درجہ ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے اور درایتاً بھی یہ ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ یہ صریح نص قرآنی کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں ہے'' آپ (نبی) کو اس بات کی امید نہیں تھی کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی'' (قصص: ۸۶) یہ آیت بتلا رہی ہے کہ آپ کو نبوت ملنے سے پہلے کتاب ملنے کا علم نہیں تھا جب کہ بحیرہ کی روایت کے مطابق آپ کو یہ علم تھا، چنانچہ ایک ضعیف اور قرآن مخالف روایت کو قطعی قرآن پر حاکم کیونکر بنایا جاسکتا ہے؟ اگر ہم چند لمحوں کے لئے یہ مان بھی لیں کہ آپؐ نے سب کچھ سیکھا اور قرآن تیار کیا تو آخر بحیرہ نے خود ہی قرآن کیوں نہ لکھ دیا؟

رہی ورقہ ابن نوفل سے استفادے کی بات تو ورقہ کے پاس آپؐ اس وقت گئے جب آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور وہ بھی حضرت خدیجہؓ کے ہمراہ۔ اس وقت بھی آپ کی گفت وشنید تاریخ کے اوراق میں مرقوم ہیں۔ ورقہ اور محمد ﷺ کے آپسی گفتگو کے الفاظ اس بات کی شہادت دینے سے

عاری ہیں کہ آپ نے ان کے مذہب کی تعلیمات حاصل کیں، ایک مختصر سا وقت تھا جو دونوں کے مابین گذرا۔ اس مختصر سے وقفے میں آپ ان سے بھلا کیا سیکھ سکتے تھے؟ اور بعد میں بھی کچھ نہیں سیکھ سکتے تھے اس لیے کہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ورقہ ابن نوفل اسلامی دعوت سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے (ثم لم ینشب ورقة أن توفی و فتر الوحی) (فتح الباری ۱/ ۳۰)۔ چنانچہ ورقہ سے تورات اور انجیل سیکھنے کا ثبوت عقلاً ونقلاً ہر لحاظ سے محال بلکہ ناممکن ہے۔ رہی یہ بات کہ آپ اپنے صحبت میں رہنے والے صحابہ اور صحابیات سے اخذ و استفادہ کیا کرتے تھے تو یہ اعتراض اس وجہ سے ناقابل اعتبار ہے کہ تاریخی لحاظ سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ لوگ آپ کے حلقہ صحبت میں نزول قرآن اور ظہور اسلام کے بعد آئے تھے نہ کہ پہلے۔ پھر آپ ان سے قرآن کیوں کر سیکھ سکتے تھے۔ اگر محمدؐ ورقہ، بحیرہ یا کسی اور شخص سے اہل کتاب کا علم سیکھا اور قرآن لکھا تو ایسا کیوں ہے کہ قرآن میں اہل کتاب کی جا بجا پر زور تردید کی گئی ہے؟ خاص طور سے نصرانیت کے عقیدہ تثلیث کی جب کی ورقہ اور بحیرہ دونوں نصرانی تھے اور اگر قرآن کا سرچشمہ توریت اور انجیل ہے تو دونوں کے اصول ایمانی میں اس قدر اختلاف کیوں ہے؟ الوہیت، ملائکہ، نبوت وغیرہ کے تعلق سے قرآنی تعلیمات توریت و انجیل سے یکسر مختلف کیوں ہے؟ ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ یہود و نصاریٰ آپ کے دشمن تھے ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ میں نے محمدؐ کو یہ قرآن بنوانے میں مدد کی ہے۔ اگر کچھ باتیں پہلے کی کتابوں کی مماثل ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن گذشتہ کتابوں کا مصدق ہے ان کی بگڑی اور محرف باتوں کی اصلاح و درستگی کا اعلان ہے۔

مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ انھوں نے ہندومت، صابیت، زرتشتیت اور عرب حنفیہ وغیرہ کو بھی قرآن کا سرچشمہ قرار دیا ہے وقت کی قلت اور صفحات کی قید کی وجہ سے ہم ان پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہیں تفصیل کے لئے دیکھیں "آراء المستشرقین حول القرآن الکریم"۔

## محفوظیت قرآن:

قرآن کا سرچشمہ غیر اللہ قرار دینے کی ان کی سازش جب مکمل طور پر کامیاب ہوتی نظر نہ آئی تو انہوں نے آواز لگانی شروع کر دی کہ قرآن جس صورت میں آپ پر نازل ہوا تھا اس صورت میں اب محفوظ نہیں رہا۔ انھوں نے قرآن مجید کی آیت "سنقرأ ک فلا تنسی" (ہم تمہیں پڑھوا دیں گے پھر تم نہیں بھولو گے) (اعلی: ۵) کو دلیل بنا کر واویلا مچانا شروع کر دیا کہ آپ کئی بار آیتوں کو بھول جاتے تھے۔ جواباً ہمیں عرض یہ کرنا ہے کہ اس آیت کا شان نزول بس اتنا ہے کہ جب آپ پر وحی آتی تو آپ اسے بھولنے کی ڈر سے بار بار دہراتے تھے اس لئے اللہ کی طرف سے آپ کو تسلی دی گئی ہم تمھیں پڑھوا دیں گے تو آپ بھولیں گے نہیں اس آیت کا منشا یہ ہرگز نہیں کہ آپ آیتوں کو بھول جاتے تھے۔ مستشرقین کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ ایک آیت سے اپنے مطلب کی بات نکال رہے ہیں مگر وہیں قرآن کے اس اعلان کہ "ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں" اور "باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ چیز ہے" (فصلت: ۴۲) تو اس کھلے اعلان سے ان کی آنکھیں مکمل اغماز برتتی رہتی ہیں۔ شیخ علی محمد کے بقول اللہ تعالی اعلان کر رہا ہے کہ ہم اس ذکر یعنی قرآن کو ہر طرح کے نقص وزیادتی تغیر وتبدیلی اور تحریف سے حفاظت کریں گے۔ دنیا کی کوئی مخلوق اس میں ایک حرف یا ایک کلمے کی کمی بیشی نہیں کر سکتی۔

اسی طرح انہوں نے کئی احتمال رکھنے والے اس حدیث کو بنیاد بنایا جس میں اللہ کے رسول نے ایک صحابی کو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے سنا تو کہا کہ اللہ اس پر رحم فرمائے انھوں نے مجھے ایک آیت یاد دلادی جسے میں بھول گیا تھا اور بعید از قیاس معنی کو بنیاد بنا کر حفاظت قرآن پر اعتراض کرنے لگے کہ کبھی کبھی آپ آیتوں کو بھول جاتے تھے اور صحیح مسلم کی اس حدیث کو یکسر نظر انداز کر دیا جس میں قرآن کریم کی اس امت کے ذریعے تاقیامت محفوظیت کی دلیل ہے۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو مخاطب کرتے ہیں "میں نے آپ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جسے پانی دھو (مٹا) نہیں سکتا یعنی دنیا کی کوئی طاقت اسے مسخ نہیں کر سکتی۔

مستشرقین نے تدوین قرآن پر بھی متعدد شبہات وارد کیے ہیں یہ اعتراضات اس قدر تفصیل طلب ہیں کہ اس مختصر سے مضمون میں ان کے کسی ایک پہلو پر بھی گفتگو تشنہ رہ جائے گی۔ اس تعلق سے ان کے اعتراضات اور ان کے مدلل جوابات کے لئے دیکھیں ڈاکٹر محمد حسین علی الصغیر کی کتاب "المستشرقون و الدراسة القرآنية" نیز عمر بن ابراہیم رضوان کی کتاب "آراء المستشرقین حول القرآن الکریم وتفسیرہ"۔

ص ۴۳۵ تا ۴۸۳۔

## قرآنی تعلیمات پر اعتراضات

**اسلامی جنگیں:**

غیر مسلموں کا قرآن مجید پر یہ اعتراض ہے کہ یہ خوں آشامی کی تعلیم دیتا ہے، دوسرے مذاہب سے نفرت اور ان کو قتل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ دیانند سرسوتی سورۃ انفال کی آیتوں پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''واہ جی واہ خدا اور پیغمبر خوب رحم دل ہیں جو لوگ مذہب اسلام میں نہیں ہیں ان کافروں کی جڑ کاٹنے، ان کی گردن مارنے اور ان کی جوڑوں کو کاٹنے کا حکم دیتا ہے اور اس کام میں ان کا ممد و معاون بنتا ہے کیا یہ خدا راون سے کچھ کم ہے''۔ اسی طرح سورۃ توبہ کی آیت ۹۱ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اب دیکھئے پرلے درجے کی نصیحت کی بات کہ جو مسلمان نہ ہو ان کا جہاں پاؤ مار ڈالو اور مسلمان کو نہ مارو۔۔۔ ایسی تعلیم کنویں میں ڈال دینی چاہئے''۔

غیر مسلموں کا یہ عقیدہ ان کی کم فہمی کی غمازی کرتا ہے۔ قرآنی تعلیم کسی بھی پہلو سے یہ نہیں درشاتی کہ اسلام میں لوگوں کو جبراً داخل کیا جائے، قرآن کا تو صاف اعلان ہے کہ دین میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے (بقرہ: ۲۵۶) اس آیت کا منشاء یہی ہے کہ طاقت کے بل بوتے پر کسی کو بھی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کسی ملک کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لئے اس کے خلاف جنگ کا اعلان ہو سکتا ہے۔ اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے کے تئیں اسلام کا واضح نظریہ یہ ہے کہ ''صاف کہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی جانب سے اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے'' (کہف: ۲۹)، ایک دوسری آیت میں ہے کہ ''انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا'' (دھر: ۳) (ہم نے اسے راستہ دکھایا خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا بنے) ان آیتوں کے مطالعے کے بعد کون ہے جو اسلام میں جبر و اکراہ ہونے کا دعویٰ کرے۔ قرآن نے جہاد و قتال یا جنگ کی جو اجازت دی ہے تو ایسا نہیں ہے کہ مسلمانوں کو شتر بے مہار بنا دیا بلکہ اس نے جنگ کے محرکات کی بھی وضاحت فرمائی ہے اول تو یہ کی جو لوگ تم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہیں اور تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہیں تم ان سے جنگ کرو (وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم و لا تعتدو ا ان اللہ لا یحب المعتدین) (بقرہ: ۱۹۰) اور اس جنگ میں بھی اعتداد سے احتراض کا حکم دیتا ہے۔ جنگ کا دوسرا محرک ظلم و جور کا خاتمہ ہے قرآن کی آیت ہے کہ ''اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کی خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقینا ان کی مدد پر قادر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دئے گئے صرف اس اصول پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے (حج ۴۰، ۳۹)''۔ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی صاحب لکھتے ہیں کہ ''اسلام چاہتا ہے کہ سماج سے ظلم و جور کا خاتمہ ہو تمام افراد آزادی کی فضا میں سانس لیں، وہ اپنی مرضی کے مالک ہوں، جس عقیدہ اور فکر کو صحیح سمجھیں اپنا سکیں، کسی کو ان پر اپنی مرضی تھوپنے، ان کی آزادی سلب کرنے اور ان پر ظلم و تشدد کرنے کا اختیار نہ ہو''۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ان ظالموں کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے جن کے زیر نگیں کمزور مرد، عورت اور بچوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہوں قرآن کا ارشاد ہے ''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے جنگ نہیں کرتے جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس ظالم باشندوں کی بستی سے نکال اور ہمارے لئے اپنے پاس سے ہمدرد پیدا کر اور ہمارے لئے اپنے پاس سے مدد گار کھڑے کر (نساء ۷۵)''۔ مولانا مودودی نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ''ایسی حالت میں جنگ جائز ہی نہیں بلکہ فرض ہو جاتی ہے اس وقت انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہی ہوتی ہے کہ ان ظالموں کے خون سے زمین کو سرخ کر دیا جائے اور ان مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے شر سے اللہ کے مظلوم و بے بس بندوں کو نجات دلائی جائے جو شیطان کی امت بن کر اولاد آدم پر اخلاقی، روحانی اور مادی تباہی کی مصیبتیں نازل کرتے ہیں''۔

سر دیانند سرسوتی یا دوسرے لوگوں نے جن آیات کو نشانہ بنایا ہے ان کے پیچھے یا تو ان لوگوں کی کم فہمی کارفرما ہے یا اسلام کے تئیں ان کا عناد۔ اس لئے کہ جن آیتوں کے تعلق سے انھوں نے دہشت گردی کا دعوی کیا ہے ان میں صحیح واقعہ اور سیاق و سباق اور موقع محل کا بالکل بھی خیال نہیں رکھا ہے بلکہ اپنے مطلب کے ٹکڑوں پر جھپٹ پڑے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ توبہ کی آیت کہ مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو میں ان مشرکین سے قتال کا حکم دیا گیا ہے جو صلح کے معاہدے کے با وجود اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے تھے اور ان سے دشمنی نکالنے کا موقع ہاتھ سے

جانے نہ دیتے تھے لیکن سیاق وسباق اور پس منظر کا لحاظ کئے بغیر اس سے یہ مفہوم نکالا گیا کہ مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو اور اسے عموم پر محمول کیا گیا۔

**تعدد ازدواج:**

تعدد ازدواج کا مسئلہ دور حاضر کے ایسے چند مسائل میں سے ہے جن پر اہل مغرب اور ہنود صبح وشام چیختے رہتے ہیں ۔قرآن نے ایک مرد کو یک لمحہ چار چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے یہ حکم یہود و ہنود کی زاویہ نگاہ کے مطابق عورتوں پر ظلم ہے اور یہ حکم سوائے عیاشی اور ہوس رانی کے کسی طور مفید نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ یورپ میں ایک سے زیادہ شادیاں قانوناً جرم ٹھہرتی ہیں ۔ جہاں تک تعدد ازدواج اور عیاشی کا تعلق ہے تو یہ بات ہم کو مذاہب اور تہذیبوں کے تعلق سے تو کہ سکتے ہیں جنھوں نے کسی حد و شرط کے بغیر تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے لیکن اسلام کے تعلق سے یہ بات نہیں کہیں جاسکتی ہے کیونکہ اسلام میں زیادہ سے زیادہ چار عورتوں کی اجازت دی گئی ہے اور وہ بھی انتہائی سخت شرط کے ساتھ کہ سب کے ساتھ اور سب کے درمیان عدل و انصاف کا رویہ اختیار کیا جائے، ساتھ ہی ساتھ اسلام ان عورتوں اور مردوں پر لعنت بھیجتا ہے اور رحمت خداوندی سے محروم ٹھہراتا ہے جو ہر دم نئی نئی جنسی لذتوں کے پھیر میں رہتے ہیں خواہ یہ لذت اندوزی قانونی حدود کو توڑے بغیر کی جارہی ہو کیوں کہ حدیث میں ہے کہ ”اللہ نے ان مردوں اور عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جو نئی نئی لذتیں چکھتے پھرتے ہیں“ ۔

تعدد ازدواج تو انسانی فطرت کا تقاضہ ہے، ڈاکٹر روم لینڈ (Rom landoau) لکھتے ہیں کہ ”ایک غیر مکمل دنیا میں جس طرح کی دنیا میں ہم رہتے ہیں تعدد ازدواج کو فطری طور پر تسلیم کرنا پڑے گا تعدد ازدواج کو مکمل طور پر ختم کر دینے کے لئے ہمیں سب سے پہلے پوری تہذیب کے کردار کو بدلنا پڑے گا پھر مرد کی فطرت کو اور آخر میں خود فطرت کو“۔

قرآن مجید کی تعدد ازدواج کی اجازت پر اعتراض کرنے والے شاید یہ نہیں جانتے کہ تعدد ازدواج بہت سے معاشرتی اور اخلاقی پیچیدگیوں کا مشفی حل ہے مولانا سید حامد علی لکھتے ہیں کہ ”عورتوں کی کثرت تعداد ایک ایسا مسئلہ ہے جو قوموں کے لئے سخت پریشان کن ہوتا ہے ایک طرف عورتوں کے لئے جائے رہائش اور نان ونفقہ کی فراہمی کا خیال ہوتا ہے، دوسری طرف ان کی جنسی خواہشات کی اخلاقی تسکین کا مسئلہ ہوتا ہے ساتھ ہی ساتھ یہ فکر پریشان کن ثابت ہوتی ہے کہ معاشرے کے مردوں اور عورتوں کے اخلاق کا تحفظ کیوں کر کیا جائے۔۔۔ان تمام الجھے ہوئے مسائل کو سلجھانے کا واحد معقول طریقہ صرف یہ ہے کہ مردوں کو کچھ شرائط وحدود کے ساتھ ایک سے زائد عورتوں سے شادی کی اجازت دے دی جائے اس کے سوا ان پر پیچ مسائل کا کوئی حل نہیں ہے“۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت دائم المرض کا شکار ہوتی ہے ایسی صورت میں تعدد ازدواج کی نفی کرنے کی صورت میں یا تو شوہر تا حیات جنسی استلذاذ سے محروم بیٹھا رہے جو کہ کسی شخص کے لئے بالکل ناممکن سا ہے، یا پھر وہ غیر فطری طریقے کی طرف بڑھے مگر اس میں پورے معاشرے اور خصوصاً صنف زن کی آلودگی لازم آتی ہے، یا تو اس عورت کو طلاق دے دے اور ایسی حالت میں عورت کو طلاق دینا گویا اسے بے یار و مددگار چھوڑ دینا ہے کیونکہ کوئی دوسرا شخص بھی اس سے شادی نہیں کرے گا پھر آخر شوہر کیا کرے؟ تو ایسی حالت میں سید حامد علی کے بقول اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ مرد دوسری شادی کر لے۔۔۔ صرف اسی شکل میں اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے مرد کے جنسی جذبات کی تسکین ہو سکتی ہے ۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ تعدد ازدواج کا اصل مقصود اس بھیانک انجام سے بچانا ہے جس سے وہ یورپ میں دو چار ہیں ”یہ حکم دراصل ایک سماجی مسئلہ کے حل کے طور پر وضع کیا گیا ہے، وہ فاضل عورتوں کو جنسی آلودگی سے بچا کر معقول اور مستحکم خاندانی زندگی گزارنے کا ایک انتظام ہے“۔

**مسئلہ میراث:**

مخالفین اسلام قرآن مجید کی آیت ”للذکر مثل حظ الانثیین“ کو نشانہ بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کے ساتھ ناانصافی کی ہے اور وراثت میں اس کا حصہ مردوں کے حصوں کا آدھا رکھا ہے لیکن اسلام کے خلاف یہ محض بہتان ہے کہ اسلام وراثت میں سے عورت کو مرد کے مقابلے میں تھوڑا یا نا کافی حصہ دیتا ہے کیونکہ مرد کی معاشی ذمہ داریاں ہی ایسی ہیں کہ وراثت میں سے اس کو عورت کے مقابلے میں دگنا حصہ ملنا چاہئے ۔آپ دیکھیں کہ عورت ہر طرح کی ضرورت و حاجت سے بے نیاز ہوتی ہے بایں طور کہ اس کا تمام خرچ اس کے بیٹے، باپ، بھائی، شوہر یا دیگر اقرباء پر واجب ہوتا ہے اور عورت پر کسی کا اور کسی طرح کا نفقہ واجب نہیں ہے مزید مرد مہر دینے کا

بھی مکلف ہوتا ہے ساتھ ہی خرچ ، رہائش ، کھانا اور کپڑا تمام طرح کے انتظامات شوہر یعنی مرد کے ہی ذمے ہوتے ہیں بچوں کی تعلیم وتربیت اور دواعلاج کا خرچ بھی اسے ہی اٹھانا پڑتا ہے ان سب کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کو وراثت میں عورت کے مقابلے زیادہ حصہ ملے۔

جو لوگ لازمی طور پر میراث میں حصہ پاتے ہیں یعنی باپ ماں، بیٹا بیٹی اور شوہر و بیوی ان مردوں کا حق عورتوں سے زیادہ یا دوہرا رکھا گیا ہے لیکن مردوں اور عورتوں کے درمیان جنس کی بنیاد پر یا تفریق کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اس اصول پر مبنی ہے کہ جن کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں ان کے حقوق بھی زیادہ ہیں اور جن کی ذمہ داریاں کم ہیں ان کے حقوق بھی کم ہیں اسی اصول کو رسولؐ نے اپنے ایک ارشاد میں واضح فرمایا "الخراج بالضمان"۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ جو نقصان برداشت کرے گا وہی فائدے کا بھی حقدار ہوگا۔ اس کو ایک اور طریقے سے سمجھا جاسکتا ہے شریعت میں والدین کی اہمیت وعظمت اولاد سے زیادہ ہے اس کا تقاضا یہ تھا کہ والدین کا حصہ زیادہ ہو اور اولاد کا حصہ کم ہو لیکن اس کے برخلاف ترکہ میں ماں باپ کا حصہ کم ہے اور اولاد کا زیادہ کیونکہ ماں باپ اپنی ذمہ داریوں سے فارغ ہو رہے ہیں اور اولاد ذمہ داریوں کے میدان میں قدم رکھ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن صورتوں میں مرد کی معاشی ذمہ داریاں کم یا ختم ہوجاتی ہیں ان میں تقسیم میراث کے معاملے میں عورتوں اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے مثلاً میت کی اولاد ہو اور اس کے ماں باپ بھی ہوں تو میراث میں ماں اور باپ کا چھٹا حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام کی تقسیم وراثت تمام تر انصاف کے اصولوں پر مبنی ہے کسی کی حق تلفی نہیں کی گئی ہے۔

مذکورہ بالا اعتراضات کی طرح قرآن کے نظام حدود، تصور حجاب، قصاص اور ہر ہر تعلیم پر اعتراضات کیے گئے ہیں اور مسلم علماء نے اسکے جوابات بھی دیے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں ان کو جمع کرنا ممکن نہیں۔

مجموعی طور پر دشمنان اسلام اور خصوصاً مستشرقین قرآن کے حوالے سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآنی تعلیمات محدود اور چند اخلاقی قسم کی ہیں، قرآنی تعلیمات میں ہر دور کے تقاضوں کا لحاظ نہیں ہے اس لئے اسلام ایک ہمہ گیر مذہب نہیں ہوسکتا۔

جواب میں ہمیں عرض یہ کرنا ہے کہ قرآن کی تعلیمات جو اور جتنی ہیں ایک انسان کے لیے کافی ہے اور اس کی شاہد ہے کہ لوگوں کی زندگیاں اس کے مطابق ڈھلی ہیں، قرآن کی تعلیمات فطرت کے مطابق اور انسانی ضروریات کے بمقدار ہیں نہ کم ہیں نہ زیادہ، نہ بوجھل ہیں نہ معمولی۔ وہ تعلیمات ایسی ہیں کہ جن کو اپنا کر آدمی اس دنیا میں باعزت اور باوقار زندگی گذار سکتا ہے۔ مزید برآں قرآن مجید ایک مکمل نظام حیات ہے اور اس پر ایک نظام حکومت قائم ہو چکا ہے۔ عہد نبوی اور خلفائے راشدین کا دور اس کی بہترین دلیل ہے۔ پوری انسانی تاریخ میں اس سے عمدہ، پاکیزہ اور عدل وانصاف پر مبنی حکومت کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ پھر یہ کہنا کیونکر بجا ہوسکتا ہے کہ قرآن کے پاس اپنا کوئی مکمل دستور نہیں ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ قرآنی دستور اور قرآنی تعلیمات ہی وہ کشتی ہے جس پر سوار ہوکر لوگ آسانی سے اپنا بیڑا پار لگا سکتے ہیں۔

***


فارم نمبر چار (Form (4

مالک : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

پرنٹر : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

ایڈیٹر : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

وقفہ اشاعت : ماہانہ

مقام اشاعت : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔

دستخط : شیخ نثار شیخ چاند


***

# روزے کا دین میں مقام

سید قطب شہیدؒ

یہ ایک فطری بات ہے کہ جس امت پر اللہ کے نظام کو دنیا میں قائم کرنے اور اس کے ذریعہ نوع انسانی کی قیادت کرنے اور انسانوں کے سامنے جن کی گواہی دینے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ فرض کیا جائے اس پر روزہ فرض ہو! روزہ ہی سے انسان میں محکم ارادے اور عزم بالجزم کا نشوونما ہوتا ہے! روزہ ہی وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنے رب سے اطاعت وانقیاد کے ساتھ مربوط ہوتا ہے! پھر روزہ ہی وہ عمل ہے جس کے ذریعہ انسان تمام جسمانی ضرورتوں پر قابو پاتا ہے اور تمام دشواریوں اور زحمتوں کو، جو وہ صرف اس لیے اٹھاتا ہے کہ اس کا خدا اس سے راضی ہو اور خدا کے یہاں جو اجر ہے وہ اسے حاصل ہو، برداشت کرنے کی قوت حاصل کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس راہ کی، جو گھاٹیوں اور کانٹوں سے بھری ہوئی ہے، جس کے اطراف و جوانب میں مرغوبات ولذائذ بکھرے پڑے ہیں، اور جس پر چلنے والوں کو بہکانے والی ہزارہا صدائیں مسلسل اٹھتی رہتی ہیں، مشقتوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنے کے لیے نفوس انسانی کی تیاری کے مقصد کے لیے یہ عناصر لازمی وناگزیر ہیں۔

روزے کے وہ فوائد اس کے علاوہ ہیں جو مرور زمانہ سے جسمانی و ضائف کے سلسلے میں منکشف ہوتے ہیں! حالانکہ میرا اپنا میلان یہ ہے کہ فرائض اور عبادت کے سلسلے میں خدائی ہدایات کو بطور خاص ان حسی فوائد سے وابستہ نہ کیا جائے، جن کا آنکھ مشاہدہ کرتی ہے کیوں کہ ان میں خدا کی اصل حکمت یہ ہے کہ انسانی وجود کو زمین میں اپنا رول ادا کرنے کے لیے تیار کیا جائے اور اخروی زندگی میں اس کے لیے جو کمال مقدر ہے، اس کے لیے اس کی تربیت کی جائے۔

اس کے باوجود میں اسے پسند نہیں کرتا کہ ان فرائض اور ان خدائی تعلیمات کے جو فوائد مشاہدے میں آتے ہیں یا جن کا انکشاف علم انسانی سے ہوا ہے ان کا انکار کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے لیے جو فرائض متعین کرتا ہے اور جن امور کی وہ ہدایت دیتا ہے ان سب میں انسانی وجود کے لیے خدائی تدبیر کی بہت سی مصلحتیں ہیں، لیکن ہم خدائی احکام کی حکمت کو علم انسانی کے ان انکشافات پر معلق نہیں کر سکتے۔ اس علم کا دائرہ بہرحال محدود اور تنگ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا، جس کے تحت وہ انسانی وجود کی تربیت کر رہا ہے یا جس کے تحت وہ طبیعی میدان میں اس کائنات کو پروان چڑھا رہا ہے، احاطہ و استعاب کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ چاہتا ہے کہ انسانوں کو کوئی حکم دینا ہو تو ضروری ہے کہ اس کی مدد کی جائے اور اس کے جذبات کو ابھارا جائے تاکہ وہ اس کی پکار پر لبیک کہے اور خوشی خوشی اس بار کو اٹھائے۔ اس لیے وہ واضح کرتا ہے کہ اس کے حکم میں کیا حکمتیں اور فوائد ہیں تاکہ اسے اطمینان قلب حاصل ہو اور وہ اس حکم سے مانوس ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ روزہ کے ذکر کی ابتداء اس ندا سے کرتا ہے جو اہل ایمان کو محبوب ہے! اس طرح وہ انہیں ان کی اصل حقیقت یاد دلاتا ہے! پھر وہ انہیں بتاتا ہے کہ روزہ ایک قدیمی فریضہ ہے جو ہر خدائی شریعت میں اہل ایمان پر فرض رہا ہے! اس فریضہ کا اولین مقصود تقویٰ، صفائے قلب، احساس ذمہ داری اور خشیت الٰہی کے لیے دلوں کو تیار کرنا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا! امید ہے کہ تم خدا ترس بنو گے۔ (بقرہ: ۱۷۲)

آیت سے روزے کی عظیم غایت سامنے آتی ہے۔ یہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ دل میں زندہ ہو تو مومن اس فریضہ کو اللہ کی فرمانبرداری کے جذبے کے تحت اس کی رضاجوئی کے لیے کرتا ہے۔ تقویٰ ہی دلوں کا نگہبان ہے۔ وہی معصیت سے روزے کو خراب کرنے سے انسان کو بچاتا ہے۔ قرآن کے اولین مخاطب جانتے تھے کہ اللہ کے یہاں تقویٰ کا

کیا مقام ہے اور اس کی میزان میں تقویٰ کا کیا وزن ہے؟ یہی ان کی منزل مقصود تھی جس کی طرف ان کی روحیں لپکتی تھیں۔ روزہ اس کے حصول کا ذریعہ اور اس تک پہنچانے کا راستہ ہے۔ قرآن اس تقویٰ کو منزل مقصود کی حیثیت سے ان کے سامنے رکھتا ہے تاکہ روزے کے راستے سے وہ اس منزل کا رخ کرسکیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ مختصراً یہ کہ تقویٰ دلوں کا احساس ذمہ داری، خوف خدا، اللہ کے غضب سے بچنے کی فکر اور اس کی رضا کی طلب کا نام ہے۔

تقویٰ کے بغیر کوئی شریعت قائم نہیں رہ سکتی، کوئی قانون کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا، کوئی پرہیز گار پرہیزگاری کی راہ اختیار نہیں کرسکتا اور اجتماعی قوانین اور ادارے جو احساس ذمہ داری اور خوف وطمع کے جذبات سے عاری ہوں انسان کی قوت سے زیادہ قوت کے حامل نہیں ہوسکتے کہ انسانوں کو جرائم سے روک سکیں۔

اسی سے ہم اس بات کی توجیہ کرسکتے ہیں کہ نبیؐ اور خلفائے راشدین کے عہد میں جرائم ــ جن میں مجرمین پر حد قائم کی گئی ہو ــ شاذ و نادر ہی ہوئے ہیں اور جو چند جرائم ہوئے ان میں سے اکثر و بیشتر جرائم کا ارتکاب کرنے والوں نے خود سے بڑھ کر اقبال جرم کیا۔ یہ دراصل تقویٰ تھا جو ان کے ضمیر کے اندرون اور دل کے عمیق گوشوں میں ایک بیدار محافظ کی حیثیت سے موجود تھا۔ یہ تقویٰ انہیں حدود کے نفاذ کے مواقع ــ جرائم ــ سے باز رکھ کر شریعت بیضاء کی طرف لے آتا تھا جو فطرت کے مخفی گوشوں اور دلوں کے پوشیدہ جذبات ومیلانات پر نظر رکھتی ہے۔ یہی نہیں، وہاں اجتماعی اداروں، قوانین، ہدایات واحکام اور عبادات کے درمیان کامل ہم آہنگی تھی اور یہ سب مل کر ایک ایسے سماج کو وجود میں لانے کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کررہے تھے جو سلیم فکر، سلیم شعور اور پاکیزہ روش کا حامل ہو، اور اس کے لیے وہ سب سے پہلے ضمیر کے اندرون میں اپنی عدالت قائم کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ دین کے تمام امور کامل خدائی نظام کے جسم کے مختلف مربوط اعضاء واجزاء ہیں اور یہ سب ایک ہی رشتے تقویٰ سے مربوط ہیں جس سے کہ اس نظام کے تمام ٹکڑے مربوط ہیں، اس طرح خدائی نظام واحد وحدت کی شکل اختیار کرلیتا ہے جس کے اجزاء کو متفرق اور ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں سے کسی ایک جزء کو ترک کردینا اور دوسرے جزء پر عمل کرنا کتاب الٰہی کے ایک حصہ پر ایمان اور دوسرے حصے کے انکار کے مترادف ہے اور انجام کے لحاظ سے یہ کفر ہی ہے۔ العیاذ باللہ

***

## نماز کو چلو

عادل اسیر دہلوی

نماز کو جو جاؤ گے
خدا کا قرب پاؤ گے
کہیں گے تم کو نیک سب
ملے گا تم کو پیارا رب
اٹھو اٹھو نماز کو
چلو چلو نماز کو
ہے مختصر سی زندگی
نہیں ہے اچھی کاہلی

خدا کا اٹھ کے نام لو
چلو تو سب یہ کہو
اٹھو اٹھو نماز کو
چلو چلو نماز کو
وضو کرو وضو کرو
مگر دھیان یہ رکھو
وضو سے تن بھی صاف ہو
وضو سے من بھی صاف ہو

اٹھو اٹھو نماز کو
چلو چلو نماز کو
سدا رکھیں یہ دھیان اب
کہ ختم ہو اذان جب
ہر ایک کام چھوڑ دیں
خدا سے دل کو جوڑ لیں
اٹھو اٹھو نماز کو
چلو چلو نماز کو

***

# رمضان کی منصوبہ بندی

ذکی الرحمان غازی فلاحی

ماہِ رمضان کا قریب آجانا اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور انعام کا مظہر ہے۔ رمضان المبارک کی آمد و دید وہ عظیم الشان تمنا اور آرزو ہے جس کو سرورِ عالم حضرت محمد ﷺ اپنے رب سے مانگا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ملتی ہے کہ اے اللہ ہمارے لیے ماہِ رجب اور ماہِ شعبان میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان المبارک تک پہنچنے کی توفیق عنایت کردے۔'' [اللّٰهم بارك لنا في رجب وشعبان، وبلغنا رمضان ] (مسند احمد رحمہ اللہ: ۱/۲۵۹۔ مجمع الزوائد، ہیثمی رحمہ اللہ: ۴۷۷۴) اللہ کے رسول ﷺ کا معمول تھا کہ اپنے اصحابؓ ورفقاء کو رمضان المبارک کی آمد سے پہلے خوش خبری سناتے تھے اور کہتے تھے کہ ''تمہارے اوپر ایک مبارک مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تم پر روزے فرض کیے ہیں، اس مہینے کی شان یہ ہے کہ اس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور شیاطین کو پابجولاں کردیا جاتا ہے، اسی ماہ میں وہ ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، یقیناً جو اس رات کے خیر سے محروم رہا وہ سب سے بڑا محروم ہے۔'' [قد جاءكم شهر مبارك كتب الله عليكم صياماً، فيه تفتح أبواب الجنان وتغلق أبواب الجحيم وتغل فيه الشياطين، فيه ليلة خيرٌ من ألف شهر من حرم خيرها فقد حرم] (مسند احمد رحمہ اللہ: ۲/۲۳۰۔ مصنف ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ: ۱/۳۔ صحیح لغیرہ عند البانی رحمہ اللہ، تمام المنة: ص ۳۹۵) اسلافِ صالحین کا طرزِ عمل بھی یہ تھا کہ سال کے چھ ماہ تک دعا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں رمضان المبارک تک پہنچنے کی توفیق مرحمت فرمادے، اور سال کے بقیہ چھ ماہ اس دعا میں گزارتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان میں انھیں جن نیک اعمال وفرائض کی توفیق مرحمت فرمائی تھی، وہ اپنی بارگاہ میں قبول فرمالے۔ رمضان المبارک خدائی برکتوں اور انعامات کا مہینہ ہے، یہ ایک ملاقاتی یا مہمان ہے جس کا اعزاز و اکرام اس کے شایانِ شان ہونا چاہیے۔ اس ماہ کو مہینوں کا سردار بھی کہا گیا ہے۔ نہ جانے کتنے اللہ کے نیک بندے ایسے تھے جنہیں امسال ماہِ رمضان المبارک کی آمد کا شدید انتظار و اشتیاق تھا لیکن تقدیرِ الٰہی نے انہیں مہلت نہ دی اور وہ حسرت لیے لیے دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ماہِ رمضان کا پالینا ایسی نعمت ہے جو شکرِ الٰہی اور یادِ الٰہی دونوں کی مستوجب ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ہم سب کو رمضان المبارک کا استقبال اپنے جملہ گناہوں اور کوتاہیوں سے توبہ کرتے ہوئے کرنا چاہیے۔ اس میں کثرت کے ساتھ قرآن کی تلاوت وتدبر، ذکرِ الٰہی، دعا واستغفار، صدقہ واحسان اور نیکی ونفل عبادات کی انجام دہی پر زور دینا چاہیے۔ اوپر بتایا جاچکا ہے کہ جو اس مہینہ کی خیر وبرکت سے محروم رہا اس سے بڑا بدنصیب کوئی اور نہیں ہے۔ اس ماہ میں کرنے کے چند اہم کام ذیل میں اختصار کے ساتھ درج کئے جارہے ہیں:

(۱) تمام عبادات واعمال میں اخلاصِ نیت کا استحضار اور اس بات کی شعوری کوشش کہ روزے سے متعلق تمام فرائض اور سنتیں آنحضرت ﷺ کی کامل اتباع میں انجام دی جائیں گی۔

(۲) رمضان المبارک کے روزے اور عبادتیں ان کے جملہ ارکان وواجبات اور سنن وآداب کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کرنا ہے۔ ساتھ ہی روزے کو باطل یا اس کے اجر وثواب کو کم کردینے والے کاموں سے مثلاً کذب بیانی، جھوٹی گواہی، غیبت اور لایعنی تضیعِ اوقات وغیرہ سے مکمل پرہیز کرنا ہے۔ اس کا عزمِ مصمم ہونا چاہیے۔

(۳) فقراء، مساکین اور ضرورت مند رشتہ داروں پر خوب خوب خیرات وصدقات کرنا ہے، اس میں دن رات، کھلے چھپے اور بتا کر دینے کی قید نہیں ہے۔ رب کریم فرماتا ہے: {الَّذِيْنَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ

يَحۡزَنُونَ} (البقرۃ:۲۷۴)''جولوگ اپنے مال شب و روز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا مقام نہیں۔''

(۴) کثرت کے ساتھ قرآن کی تلاوت اور تدبر وتفکر کا اہتمام کرنا ہے کہ یہی حاصل زندگی ہے۔ اسلاف صالحین کی عادت تھی کہ رمضان المبارک کی آمد پر درس وتدریس سے فارغ ہوکر قرآن کی تلاوت وتدبر میں پوری طرح منہمک ہو جاتے تھے۔

(۵) توبہ واستغفار اور مسنون اوراد واذکار کا بکثرت اہتمام کرنا ہے۔

(۶) حتی الوسع روزے داروں کو افطار کرانا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: جوکسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے لیے روزے دار کے برابر اجر ہے، لیکن روزہ دار کے اجر میں اس سے کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔''[من فطّر صائماً كان له مثل اجره غير أنّه لا ينقص من أجر الصائم شيئاً] (مسند احمدؒ:۴/ ۱۱۶۔ سنن ترمذیؒ:۸۰۴۔سنن ابن ماجہؒ:۱۷۴۶)

(۷) قرآن کی تلاوت وتدبر اور اذکار و تسبیحات کی خاطر زیادہ سے زیادہ وقت مسجدوں میں گزارنا چاہیے۔ نبی ﷺ کا معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک اپنی جگہ بیٹھے رہا کرتے۔ [كان اذا صلّى الغداة جلس فى مصلّاه حتىٰ تطلع الشّمس] (صحیح مسلمؒ:۲۸۶) نیز حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: جوشخص فجر کی نماز با جماعت ادا کرے اور طلوع آفتاب تک اللہ کا ذکر کرتا رہے پھر دو رکعت (چاشت) پڑھے تو اس کے لیے مکمل حج اور عمرے جیسا ثواب ہے۔ آپ ﷺ نے تین بار ''مکمل مکمل مکمل'' کہا تھا۔ [من صلّى الفجر فى جماعة ثمّ قعد يذكر الله حتى تطلع الشّمس، ثمّ صلّى ركعتين كانت له كأجر حجة وعمرة تامّة تامّة تامّة] (سنن ترمذیؒ:۵۸۳ مع تحسین البانیؒ)

(۸) دعا اور مناجات کا خصوصی اہتمام کرنا ہے۔ معلوم رہنا چاہیے کہ روزے دار کی دعا رد نہیں ہوتی۔ اس لیے ہر ایک کو چاہئے کہ اپنے لیے، اپنے والدین اور اہل خانہ کے لیے اور تمام امت مسلمہ کے لیے کثرت سے دعائیں کرے۔

(۹) ممکن ہو تو ضرور عمرہ ادا کرنا چاہیے کیونکہ اس ماہ میں ایک عمرے کا ثواب حج کے برابر بتایا گیا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ: رمضان المبارک کا عمرہ حج کے برابر ہے۔ [عمرة فى رمضان تعدل حجة] (صحیح بخاریؒ:۱۷۸۲)۔ دوسری روایت میں اس حج کے مانند بتایا گیا ہے جو خود آنحضرت ﷺ کی رفاقت میں ادا کیا گیا ہو۔ [تعدل حجة معى] (سنن ابی داؤدؒ:۱۹۹۰)

(۱۰) اعتکاف کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اعتکاف کا مطلب ہے اللہ کی عبادت اور اطاعت کے لیے یکسو ہوکر کسی مسجد میں گوشہ نشیں ہو جانا۔ حضرت ابو ہریرہؓ بتاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ہر رمضان المبارک میں دس دن اعتکاف فرماتے تھے، لیکن جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی آپ ﷺ نے بیس دن اعتکاف فرمایا تھا۔ [كان النبىّ ﷺ يعتكف فى كلّ رمضان المبارك عشرة أيام، فلمّا كا ن العام الّذى قبض فيه اعتكف عشرين يوماً] (صحیح بخاریؒ:۲۰۴۴) اللہ تعالیٰ جملہ اہل ایمان کو آنے والے اس بابرکت مہینے سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

***

## ﴿افکار کی جنگ﴾

دشمنان دین چاہتے ہیں کہ صرف ایک معبود کی عبادت پر متفق مسلمانوں کو بہت سے بتوں کا پجاری بنا ڈالیں۔ یہ بت کبھی وطن کی صورت میں سامنے آتے ہیں تو کبھی قومیت کا روپ دھارتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی معاشرہ تو صرف عقیدۂ توحید کی اساس پر قائم اور احکام شریعت ہی کی روشنی میں منظم ہوتا ہے۔ قومیتوں کے نعروں اور جاہلی نظریات کی اس مسلسل یلغار اور ناپاک ومسموم پروپیگنڈے کے نتیجے میں وحدت امت کی یہ بنیاد کمزور اور مضمحل پڑ گئی ہے اور یہ ناپاک بُت ایسے مقدس اور محترم بن چکے ہیں کہ اب ان کے منکر کو اپنی قوم وملت سے خارج اور اپنی ملکی مفادات کا دشمن اور غدار تصور کیا جاتا ہے۔

(سید قطب شہیدؒ)

# آدابِ صوم

خبیب احسن فلاحی

دین اسلام میں صرف عبادات مطلوب نہیں بلکہ ظاہراً اور باطناً عبادات کا شریعت کے مطابق ہونا بھی مطلوب ہے۔ ایک مسلمان کے لیے تمام عبادات اور معاملات میں قابل اتباع اور قابل تقلید ذات نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب: ۲۱) ''بے شک تم سب لوگوں کے لیے نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

آج ہم میں سے بیشتر مسلمان صوم (روزہ) کا اہتمام کرتے ہیں لیکن ان میں بہت قلیل تعداد ایسی ہے جو صوم کو عین سنت رسول ﷺ کے مطابق انجام دینے کی کوشش کرتی ہو۔ یاد رکھیں چودہ پندرہ گھنٹے تک بھوکے اور پیاسے رہنے کی Exercise کا نام صوم نہیں ہے بلکہ صوم دراصل ضبط نفس (Self Control) اور تقویٰ کی عملی تربیت کا ایک حصہ ہے جس کے کچھ تکمیلی آداب ہیں، جن کی اگر رعایت کی جائے تو ہم صحیح معنی میں صائم (روزہ دار) کہلانے کے مستحق قرار پائیں گے۔ اور اگر ان کی رعایت نہ کی جائے تو ہمارے بھوکے اور پیاسے رہنے کا عمل محض فاقہ کشی کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ ذیل میں وہ چند آداب صوم ذکر کئے جارہے ہیں جو صائم (روزہ دار) کے لیے نہایت ہی ضروری ہیں۔

**۱۔اخلاص:** روزہ کی قبولیت کی اولین شرط اخلاص ہے، یعنی صائم (روزہ دار) کی نیت خالصةً لوجہ اللہ ہونی چاہئے۔اس کا مقصد محض اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کے اجر وثواب کا حصول ہونا چاہئے اور اخلاص تو ہر عمل کی روح ہے، اس کے بغیر نہ نماز، نہ روزہ اور نہ ہی دیگر کوئی عبادت قبولیت کے درجہ کو پہنچ سکتی ہے۔ارشاد نبویؐ ہے: ''اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ'' (اعمال کا دارومدار محض نیتوں پر ہے)۔ مزید نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَاناً وَ اِحْتِسَاباً غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ'' (جس شخص نے ایمانی کیفیت اور احتساب کے ساتھ رمضان کا روزہ رکھا، تو اللہ رب العزت اس کے ان گناہوں کو معاف کردے گا جو پہلے ہو چکے ہیں)۔

**۲۔جھوٹ، فحش گوئی اور غیبت سے مکمل طور پر اجتناب رکھا جائے:** روزہ اللہ کی خاص پسندیدہ عبادت ہے، ایسی عبادت کو اگر کوئی فحش گفتگو یا جھوٹ اور غیبت سے ملوث کرکے اللہ کے یہاں بطور تحفہ پیش کرے تو ظاہر ہے اس کی پذیرائی کا کیا سوال؟ مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اس کو بہانا بنا کر کوئی روزہ ہی نہ رکھے۔ روزہ تو بہر حال فرض ہے۔ عدم ادائیگی فرض کا گناہ بھی ہوگا اور غیبت وغیرہ کا بھی۔ لہٰذا صائم (روزہ دار) کے لیے ضروری ہے کہ وہ جھوٹ، فحش گوئی اور غیبت وغیرہ سے مکمل طور پر گریز کرے تاکہ اللہ کے حضور روزہ کی قبولیت میں یہ چیز مانع نہ ثابت ہو۔ نیز احادیث میں ان روزہ داروں پر سخت قسم کی وعید بھی آئی جو روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتے۔

قَالَ النبی ﷺ: مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَ الْعَمَلِ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ''۔

''نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ بھوکا اور پیاسا رہتا ہے'' (بخاری)

وَقَالَ النبی ﷺ: اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ فَلَا يَرْفُثْ وَ لَا يَجْهَلْ وَ اِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهٗ أَوْ شَاتَمَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ صَائِمٌ (متفق علیہ)

''مزید نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ روزہ ڈھال ہے اور جب تم میں سے کوئی روزہ سے ہو تو اپنی زبان سے کوئی بے شرمی کی بات نہ نکالے اور نہ شور و ہنگامہ کرے اور اگر کوئی اسے گالی گلوج کرنے لگے یا لڑائی پر آمادہ ہو تو وہ اس سے کہے کہ میں تو روزہ سے ہوں'' (بھلا میں کیسے گالی کا جواب دے سکتا ہوں یا لڑ سکتا ہوں)

نیز دورانِ صوم خاص طور پر غیبت سے مکمل بچنا ضروری ہے۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ روزہ دار صبح سے شام تک اللہ کی عبادت میں ہوتا ہے جب تک وہ کسی کی غیبت نہ کرے اور جب وہ کسی کی غیبت کر بیٹھتا ہے تو اس کے روزے میں شگاف

پڑ جاتا ہے۔

**۳۔روزہ دار کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے طرزِ عمل سے روزے کی کمزوری اور سستی کا اظہار نہ کرے** بلکہ معمول کے مطابق ہشاش بشاش اور چاق و چوبند (Active) دکھنے کی کوشش کرے۔حضرت ابو ہریرہؓ کا ارشاد ہے کہ آدمی جب روزہ رکھے تو چاہئے کہ وہ حسب معمول تیل لگائے تاکہ اس پر روزے کے اثرات نہ دکھائی دیں۔

**۴۔ دعا کا خصوصی اہتمام:** روزہ دار کو خصوصی اہتمام کرنا چاہیے، خاص طور پر افطار کے وقت، اس وقت روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی ہے۔ارشاد نبویؐ ہے کہ افطار کے وقت جو دعا مانگے اس کی دعا قبول کی جاتی ہے، رد نہیں کی جاتی ہے۔نیز اپنی دعاؤں میں آخرت میں اپنی کامیابی کے ساتھ ساتھ، امت مسلمہ کے حالات کی بہتری اور معصوم قیدیوں کی رہائی اور اللہ کے کلمہ کی سربلندی کا ذکر کرنا نہیں بھولنا چاہیے۔

**۵۔سحری کھانے کا ضرور اہتمام کریں:** کیوں کہ اس سے روزہ رکھنے میں سہولت ملتی ہے اور جسمانی کمزوری نہیں پیدا ہوتی ہے۔نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَکَۃً“ (رواہ البخاری) ”سحری کھالیا کرو اس لیے کہ سحری کھانے میں برکت ہے“۔مزید اس عمل سے یہود کی مخالفت بھی ہوتی جو کہ مطلوب بھی ہے۔

**۶۔ تعجیل الفطر:** یعنی سورج کے غروب ہوجانے کے بعد افطار میں جلدی کی جائے خواہ مخواہ تاخیر نہ کی جائے کیوں کہ اس عمل میں امت کے لیے سراسر خیر و برکت ہے۔چنانچہ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ ”مسلمان اس وقت تک اچھی حالت میں رہیں گے جب تک وہ افطار میں جلدی کریں گے۔(بخاری، مسلم)

مزید نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ زیادہ محبوب ہے جو افطار میں (وقت ہوجانے کے بعد) جلدی کرے۔(ترمذی)

**۷۔روزہ افطار کرانے کا خصوصی اہتمام کیا جانا چاہیے** کیونکہ احادیث میں اس کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جو شخص کھانے پینے کی کسی حلال چیز کے ساتھ کسی روزہ دار کو افطار کراتا ہے تو سارا رمضان فرشتے اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور جبرئیل لیلۃ القدر میں اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔(طبرانی)

**۸۔رمضان المبارک میں تلاوت اور قیام لیل کا خاص اہتمام ضروری ہے:** کیونکہ نبی اکرم ﷺ رمضان میں کثرت سے تلاوت کرتے تھے اور جبرئیلؑ بھی رمضان میں آپ کے ساتھ قرآن پاک کا دور کرتے تھے۔(صحیح بخاری)

اور نبی اکرم ﷺ رمضان میں قیام لیل بھی کافی لمبا کرتے تھے جس کا ذکر احادیث صحیحہ میں ملتا ہے اور مزید قیام لیل کی ترتیب دلاتے ہوئے نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ” مَنْ قَامَ اِیْمَاناً وَ اِحْتِسَاباً غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ “جو شخص ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کے لیے رمضان کا قیام کرتا ہے اس کے پہلے کے گناہ بخش دیئے جائیں گے“۔

مزید صحیح مسلم میں ہے نبی اکرمؐ رمضان کی راتوں میں جاگتے تھے اور آخری دس راتوں میں اپنے اہل و عیال اور ہر چھوٹے بڑے کو جو نماز پڑھ سکتا تھا اس کو بیدار کرتے تھے۔

لہٰذا صائم (روزہ دار) کے لیے ضروری ہے کہ وہ بذاتِ خود قیام لیل کا اہتمام کرے اور اپنے اہل خانہ کو بھی اس کی تلقین کرتا رہے۔

یہ چند اور ضروری آداب ہیں جن کا التزام کرنا ہر صائم (روزہ دار) کے لیے ضروری ہے۔ہمیں اللہ رب العزت کی ذات سے مکمل امید ہے کہ اگر ان آداب کی رعایت کرتے ہوئے روزہ رکھا گیا تو انشاء اللہ قیامت کے دن یہ روزہ ہمارے لیے سفارشی اور جہنم سے خلاصی (نجات) کا ذریعہ ثابت ہوگا۔اللہ رب العزت ہمیں آداب صوم کی رعایت کرتے ہوئے عمل صوم کو انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

***

(بقیہ صفحہ ۲۵ کا) یہ اور ان جیسے بہت سے پہلو جو ہماری عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ہمیں صبر و ثبات، استقامت اور برداشت کی تلقین کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ بھی ہمارے سامنے ہے، آپ سے ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا تعلق اور آپ ﷺ سے محبت کے دعوے اب ہم سے تھوڑی سی قربانی مانگتے ہیں، ہمارے جذبات کی قربانی اور بے عملی کی اس غلط مگر نفس کی نظر میں پُر آسائش زیست کی قربانی۔ یہ قربانی دے کر ہی ہم صحیح معنوں میں کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں۔دنیاوی اعتبار سے بھی اور اخروی لحاظ سے بھی۔***

# صبر
# کی ضرورت اور اہمیت عصرِ حاضر میں

سید عزیز الرحمٰن

لغت میں صبر روکنے کو کہتے ہیں، چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ صبرہ عن الشیٔ تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنے آپ کو فلاں چیز سے روک لیا اور راغب اصفہانی کے بقول صبر سختی میں روکنے کو کہتے ہیں، چنانچہ صبرت الدابۃ کا معنیٰ ہوتا ہے کہ میں نے جانور کو چارے کے بغیر روکے رکھا۔

اصطلاحِ شرع میں صبر کے معنیٰ ہیں:

حبس النفس علی ما یقتضیہ العقل، و الشرع او عما یقتضیان حبسھا عنہ۔

عقل اور شریعت جن امور کا حکم دیتی ہیں ان پر نفس کو جمائے رکھنا اور جن سے وہ منع کرتی ہیں ان سے نفس کو باز رکھنا۔

صبر لغوی اعتبار سے بہت سے مقامات پر استعمال ہوتا ہے، چنانچہ مصیبت کے موقع پر صبر کو صبر ہی کہتے ہیں، البتہ جنگ وغیرہ کے موقع پر صبر کو شجاعت کہتے ہیں، سخت مصائب کے عالم میں صبر کو اطمینانِ قلب سے تعبیر کرتے ہیں، اگر بات چھپانے کا موقع ہو تو اسے راز داری کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ان تمام مواقع پر صبر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں بھی ایک نام صبور ہے، یہ مبالغے کا صیغہ ہے اور اسی مادے سے ہے، اس کا مفہوم ہے ایسی ذات جو نافرمانوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتی۔

صبر کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی راہ میں نفس کے تقاضوں پر صبر کرنا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے لئے نفس کے تقاضوں کے برخلاف صبر کرنا۔

۳۔ اطاعتِ خداوندی کرنے اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کے لئے جو مشکلات آئیں، ان پر صبر کرنا۔

اور جوہری کے بقول:

الصبر حبس النفس الجزع۔

صبر نفس کو آہ وزاری سے روکنے کا نام ہے۔

صبر و ثبات اور عزم و استقلال قانونِ فطرت ہے، انسان کو ہر منزل کے حصول کے لئے اور ہر میدان میں کامیابی کے لئے جس ملکے کی سب سے زیادہ ضرورت پیش آتی ہے وہ محنت کے بعد صبر ہے۔ خالق کائنات نے اس کائنات کا مزاج ایسا رکھا ہے کہ ہر کام ایک طے شدہ نظام کے تحت اور مقررہ مدت کے بعد ہی تکمیل پا سکتا ہے، کسان زمین کی درستگی اور اس میں بیج ڈالنے کے بعد عام طور پر تین سے چھ ماہ صبر کرتا ہے، اور بعض اوقات یہ مدت سال بھر تک طویل ہو جاتی ہے، تب جا کر اسے اپنی محنت کا ثمرہ لہلہاتی فصل کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔ انسان کو صبر کی تلقین کی ہی غرض سے اور اس سے طبعی عجلت کا مادہ کم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اس کائنات کو اس نے چھ ایام میں تخلیق فرمایا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ اس ذات کے لئے لمحے بھر میں بھی ممکن تھا، جو کسی کام کے کرنے کے لئے محض ''کن'' کہنے کی بھی محتاج نہیں۔

ہم اگر خود حضرت انسان کا جائزہ لیں تو اس کی تخلیق سے لے کر بچپن تک اور بچپن سے لے کر لڑکپن، جوانی اور کہولت تک فطرت کا یہ قانون مسلسل نظر آتا ہے۔ انسان کا مزاج بچپن میں کچھ اور ہوتا ہے، اور اسے شعور کی پختگی، مزاج کی صلابت اور کردار کے ٹھہراؤ کے لئے ایک طویل وقت تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ فطرت کا یہ مزاج کائنات کی تمام اشیا میں موجود ہے، اس کا قانون اٹل ہے، جس میں انسان کسی طرح کی ترمیم کا مجاز نہیں۔ اس لئے اس کے پاس صبر و ثبات کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

انسان کو عملی زندگی میں کامیابی کے لئے ہر طرح کا صبر درکار ہے، صبر انسانی اخلاق کا حصہ تو ہے ہی، عبادات بھی صبر کے بغیر تکمیل نہیں پا سکتیں۔ نماز کے لئے قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَ اْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَ اصْطَبِرْ عَلَیْھَا (طٰہٰ: ۱۳۲)

اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور اس پر جم جاؤ۔

صبر انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کا بھی ناگزیر حصہ ہے، مخالفین کا سامنا کرنے اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے قرآن کے لفظوں میں صبر ضروری ہے، ارشاد ہے:

وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا (آل عمران: ۱۲۰)

اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہیں ان (مخالفین) کا مکروفریب کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

صبر و استقامت ایسی چیزیں نہیں ہیں جن سے حاصل شدہ فوائد صرف دنیاوی امور سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ صبر کرنے والے شخص کا اجر کسی صورت بھی ضائع نہیں ہوسکتا، دنیاوی فوائد وثمرات تو اسے حاصل ہوں گے ہی، اُخروی اجر وثواب بھی انشاء اللہ اس کا نصیب ہوگا۔ قرآن کہتا ہے:

اِنَّہٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (یوسف: ۹۰)

البتہ جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے، تو اللہ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

پھر ان کا اُخروی اجر بھی کوئی محدود نہیں، انہیں بلاحساب اجر سے نوازا جائے گا۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (الزمر: ۱۰)

بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بلاحساب ملے گا۔

نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ، جس کی اتباع ہم سب کی دنیوی اُخروی کامیابی کے لئے ناگزیر ہے۔ صبر کے حوالے سے بھی نہایت روشن اور قابل تقلید نمونۂ عمل ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی دعوتی زندگی کے روزِ اول ہی سے قدم قدم پر جن مشکلات، مصائب اور شدائد کا سامنا کیا اُن کی تفاصیل کتبِ سیرت میں مکمل جزئیات کے ساتھ موجود ومحفوظ ہیں۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی صبر و برداشت کی تصویر ہے، مشکلات ومصائب کا دور ہو یا فتح وکامرانی کا، ہر دور میں آپ ﷺ نے صبر سے کام لیا۔

ایک طرف تو طائف کے میدان میں آپؐ نے پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ صبر سے فرمایا، اور اہل طائف کی شقاوت قلبی پر جب خالق کائنات نے جبرائیل امین کو بھیجا، اور انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے جو سلوک کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے دیکھ لیا ہے، اور اس نے ملک الجبال (پہاڑوں پر مامور فرشتہ) کو بھیجا ہے، اگر آپ حکم فرمائیں تو ان دونوں پہاڑوں کو (جن کے درمیان طائف اور مکہ ہیں) آپس میں ملا کر انہیں ختم کر دیا جائے تو آپؐ نے یہی فرمایا:

بل ارجوا ان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبداللہ وحدہ، لا یشرک بہ شیئا (بخاری)

نہیں، بل کہ مجھے امید ہے کہ ان کی نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے، جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

اسی طرح ہادیٔ برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اُحد کے مقام پر مشرکین مکہ کی جانب سے مسلط کردہ جنگ میں مصروف تھے، اور اس معرکے میں آپ کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے، اور چہرۂ انور زخمی ہوا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ ان کے لئے بددُعا فرمائیے، ایسے کٹھن اور مشکل وقت میں بھی نبی رحمت ﷺ نے صبر کا بے مثال مظاہرہ کیا اور یہی دعا فرمائی:

اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما، یہ مجھے جانتی نہیں۔

اور دوسری جانب جب فتح مکہ کے موقع پر یہی اہلِ مکہ جنہوں نے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کا جینا دوبھر کر دیا تھا، سرنگوں ہو گئے، اور انہوں نے اپنی امیدیں یہ کہہ کر رحمت عالم ﷺ کے دامن مبارک سے وابستہ کرلیں کہ اخ کریم، و ابن اخ کریم۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے، تو آپ نے یہ فرما کر سب کو (چند ایک بدبختوں کے سوا) اذنِ رہائی دے دیا:

”لاتثریب علیکم الیوم، اذھبوا فانتم الطلقاء۔“

”آج تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

آپ ﷺ نے جن مشکلات کا سامنا کیا، اُن کو پڑھ کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور پھر جب ہم پڑھتے ہیں کہ اتنے بڑے واقعات پر بھی آپ نے صبر وضبط سے کام لیا تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ صبر کا جذبہ انسان کو ترقی کی کس قدر منازل سے آشنا کرتا ہے؟ ابتدائی ایام کا ذکر ہے، حضرت عبداللہ بن مسودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سجدہ کر رہے تھے اور ان کے گرد قریش کے کچھ لوگ کھڑے تھے، اس دوران عقبہ بن ابی معیط اونٹ کی

اوجھڑی لایا اور حضور اکرم ﷺ کی پشت پر ڈال دی، جس سے آپ سر نہ اُٹھا سکے۔ اس دوران حضرت فاطمہؓ آ گئیں اور اسے آپ کی پشت سے ہٹایا اور جس نے یہ حرکت کی تھی، اس کو بد دعا دی۔

آپ ﷺ کا یہ بے مثل صبر و ضبط دراصل امتِ محمدیہ کے لئے ایک سبق اور درس عمل تھا، آپ نے اپنے عمل مبارک کے ذریعے یہ تلقین و تاکید فرمادی کہ حالات خواہ کیسے ہی ناساز کیوں نہ ہوں، مشکلات کا دورانیہ خواہ کس قدر طویل ہی کیوں نہ ہو اور مصائب کی شدت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، فتح اور مکمل کامیابی کے لئے صبر از بس ضروری ہے، اور صبر و ثبات کے بغیر دائمی، حقیقی اور مکمل کامیابی کا تصور ممکن نہیں۔

یہاں یہ بات بھی نہیں کہی جاسکتی کہ چوں کہ نبی اکرمؐ کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی مدد اور وحی الٰہی کی تائید حاصل تھی، اس بنا پر آپ عزیمت کی اس بلندی پر فائز تھے، جہاں عام انسان کا گزر ممکن نہیں، یہ بات جزوی طور پر تو درست ہو سکتی ہے، مکمل طور پر نہیں۔ یہ درست ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے مقام بلند کا تصور بھی ہمارے لئے ممکن نہیں، مگر آپ کا اُسوۂ حسنہ ہم سب کے لئے از روئے نص قرآن دائمی نمونۂ عمل ہے، اور یہ حکم صبر کے لئے بھی ہے۔ دوسرے اگرچہ آپ ﷺ کا براہ راست تائید خداوندی اور وحی الٰہی سے تعلق تھا، مگر یہ بات آپ کو پہنچنے والی مشکلات اور مصائب کی شدت میں کمی نہیں کرتی، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو پہنچنے والی مشکلات اور مصائب بھی دوسروں کے مقابلے میں ہر اعتبار سے بہت زیادہ تھے، خود آپ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:

بلاشبہ اللہ کی راہ میں مجھے جس قدر اذیت دی گئی، اتنی کسی کو نہیں دی گئی، اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ڈرایا گیا کہ کسی کو اتنا نہیں ڈرایا گیا۔

اور ایک مرتبہ آپ ﷺ سے سوال ہوا کہ کن لوگوں کی آزمائش سب سے کڑی ہوتی ہے؟ فرمایا کہ انبیاء کی، پھر ان سے کم تر لوگوں کی، پھر اُن سے کم تر لوگوں کی، لوگوں کو ان کے دین کے تناسب سے آزمایا جاتا ہے، جس کا دین سے تعلق مضبوط اور مستحکم ہوگا، اس کی آزمائش سخت ہوگی، اور جس کی دین داری کم زور ہوگی، اس کا امتحان بھی کمزور ہوگا، اور آدمی کی آزمائش ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ (ان میں پورا اترنے کے بعد) وہ زمین پر چلتا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا۔

صبر، حدیث کے الفاظ میں ایک روشنی ہے، مینارۂ نور ہے۔

الصبر ضیاء (مسلم)

انسان جب زندگی کے پُر پیچ راہوں میں مشکلات کے اندھیروں سے نبرد آزما ہوتا ہے، حوادث کے تھپیڑے اس کے سامنے زیست کی راہ کو تاریک کر دیتے ہیں، اور پریشانیوں کی ظلمت دراز ہونے لگتی ہے تب صبر روشن چراغ کی مانند اپنی ضیا پھیلاتا ہے، ایسے وقت میں صبر ایسی روشنی کا کام دیتا ہے جو اُسے مایوسیوں سے نکال کر امید کی روشن راہوں تک لے آتی ہے، اس لئے صبر ہر حال میں ایک مسلمان کا وظیفۂ حیات ہونا چاہیئے۔

مشکلات و مصائب کے بارے میں ہمارا تصور بھی حد درجے ناقص ہے۔ ہمارا عام تصور یہ ہے کہ مشکلات کا سبب یا تو اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہے، ہماری بدقسمتی ہے، بزرگوں کا عدم التفات ہے، یا پھر کاروباری، خاندانی اور ذاتی رقابتوں کا شاخسانہ ہے، جن کے نتیجے میں ہم پر جادو کے ذریعے یا جنات وغیرہ کے توسط سے ایسا عمل کر دیا گیا ہے جو ہماری گھریلو، کاروباری اور خاندانی مشکلات کا باعث بنا ہے۔ یہ تصور ہمارا اپنا تراشا ہوا ہے جس کا اسلامی فکر سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن تو ہمیں یہ ہدایت دیتا ہے کہ کسی بھی انسان کو اور بالخصوص اچھے مسلمان کو کسی بھی صورت اس دنیا میں مشکلات سے مفر نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ (محمد: ۳۱)

”ہم ضرور تمہیں آزمائش میں مبتلا کریں گے، تاکہ تمہارے حالات کو جانچیں، اور دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہیں؟

اور ایک مقام پر تو اس قدر وضاحت سے فرمادیا:

أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوٓا أَن يَقُولُوٓا ءَامَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ (العنکبوت: ۲، ۳)

”کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ (محض) آمنا (ہم ایمان لائے) کہہ کر چھوٹ جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ اور بے شک ہم ان سے پہلے والوں کو بھی آزما چکے ہیں، سو اللہ ضرور معلوم کرے گا کہ کون سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ضرور جان لے گا۔

اور ایک مقام پر تو اس قدر وضاحت سے فرمادیا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (البقرۃ:۲۳)

اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے، کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے اور آپ (ﷺ) صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیجئے۔

اس لئے مشکلات کا تعلق کسی اور چیز سے جوڑنے کی بجائے اسے منجانب اللہ سمجھنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے اعانت مانگتے ہوئے اپنے حالات کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے اور نتائج اللہ کے سپرد کر دینے چاہئے اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اسی میں خیر ہے، اور اسی میں ہماری بھلائی ہے۔ حدیث میں بھی یہ مفہوم بیان ہوا ہے۔ ایک بار دشمنوں کی جانب سے مسلمانوں کو پہنچائی جانے والے تکالیف سے تنگ آ کر بعض صحابہ کرامؓ نے آپ سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے ناراضی ظاہر فرمائی اور سختی سے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

تم سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں، ان کے جسموں پر آرے چلائے گئے اور ان کی کھالیں تک اتار لی گئیں، مگر وہ اپنے مذہب سے نہیں پھرے، خدا کی قسم! دین اسلام اپنے کمال کو پہنچ کر رہے گا، حتیٰ کہ صنعا سے حضر موت تک جانے والا مسافر خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا۔

ایک روایت میں اس بات کی وضاحت آپ ﷺ نے یوں فرمائی:

اذا أراد الله بعبده الخير عجل له العقوبة في الدنيا، و اذا أراد بعبده الشر امسک عنه بذنبه حتى يوافى به يوم القيامة۔

جب اللہ اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے دنیا ہی میں سزا دے دیتا ہے، اور جب اپنے کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہوں کی سزا کو دنیا میں ترک کر دیتا ہے، تاکہ روز قیامت اُسے پوری سزا دے۔

یہ پہلو بھی ہمارے لئے نہایت اہم ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیشہ پیش آمدہ مشکلات کے بارے میں یہ یقین بھی رکھنا چاہئے کہ ان وقتی اور دنیاوی تکالیف کی وجہ سے ہماری دائمی اخروی زندگی کی راحت کا سامان ہو رہا ہے، اور عارضی زندگی کی عارضی مشکل اگر دائمی زندگی کی دائمی راحت کا سبب بن جائے اور ہم جب اس دنیا سے رخصت ہوں تو ہمارا دامن ہماری بداعمالیوں کے اثرات سے پاک ہو تو یہ سودا کس قدر سستا ہے؟ یہ سستا سودا تو ہمیں خوش دلی سے قبول کرنا چاہئے۔

نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا یہ عملی پہلو یعنی صبر و ضبط ہماری عملی زندگی کے لئے ہر پہلو سے نمونۂ عمل ہے، خصوصاً آج کے حالات میں صبر ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ابتدائی اور لازمی جز ہونا چاہئے، اجتماعی سطح پر بھی عالمی صورت حال کے حوالے سے ہمیں اپنی حکمت عملی کو جہاں از سر نو متعین کرنا چاہئے، وہیں خالص جذباتیت سے مکمل کنارہ کشی اختیار کر کے اور صبر و استقامت سے کام لے کر اپنے متعین اہداف کی طرف پیش قدمی کرنی چاہئے۔ یہ وہ راہ ہے جہاں جذباتیت بھی ضرر رساں ہے اور عجلت پسندی بھی۔ دوسری جانب ہماری توجہ اچھا اور باکردار مسلمان بننے پر پوری طرح مرکوز ہونی چاہئے، خصوصاً ہمارے سماجی رویے آج قطعاً ایک اچھا مسلمان ہونے کی نشاندہی نہیں کرتے اور نبی اکرم ﷺ کے امتی ہونے کی حیثیت سے ہمارے جو فرائض ہیں، ان سے ہم بالکل لاعلم، بے پرواہ ہیں۔ اس کی گواہی کے لئے کسی بڑی بات کی ضرورت نہیں، بہت چھوٹی چھوٹی باتیں اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ مثلاً ٹریفک قوانین کے خلاف ورزی ہمارا روزمرہ کا معمول ہے، جسے اب معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ یہ بے راست دوسروں کو ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے ذیل میں آتا ہے، اور اس کا حل صرف صبر میں پوشیدہ ہے، یہ صرف ٹریفک قوانین کا ہی حال نہیں، ہم قطار اور صف بندی کے کسی مرحلے کے بھی قائل نہیں، اور جب ایسے کسی موقع پر ہمیں اپنی کوتاہی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو ہم اس سے بھی زیادہ مناسب اور ناروا رویوں کا سہارا لیتے ہیں۔

اسی طرح اگر اپنے حقوق کے حصول کا معاملہ ہو تو بھی ہم صبر سے کام نہیں لیتے، اور کوشش ہوتی ہے کہ ہمارا حق ہمیں جلد سے جلد، بلکہ وقت سے پہلے بھی مل جائے، مگر جب اپنے فرائض کی ادائیگی کا وقت آتا ہے تو اس سلسلے میں پیش آنے والی مشقتوں اور مشکلات پر صبر سے کام لینے کے بجائے اپنی ذمے داریوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ہم اشتعال انگیزیوں کا بھی بہت جلد شکار ہو جاتے ہیں، جس کے سبب ہماری مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے، مگر ہمیں شاید علم نہیں کہ اگر ایسے مواقع پر ذرا بھی صبر اور برداشت سے کام لیا جائے تو خود ہمارے لئے بھی مشکلات کم ہو سکتی ہیں۔ (بقیہ صفحہ ۲۱ پر)

# علم اور مطالعہ

ڈاکٹر عتیق

دنیا کے فلاسفہ اور دانشوران جس علم کے حصول کو اپنا اور سارے انسان کا حق کہتے ہیں اسلام اس علم کے حصول کو فرض قرار دیتا ہے۔ حق اور فرض میں ایک بڑا فرق ہے، اپنے حق سے دستبردار ہونا باعث گناہ نہیں ہے بلکہ بسا اوقات قابل تعریف ہوتا ہے، لیکن کوئی اگر فرض کو ادا نہ کرے تو وہ شخص گناہ گار ہوگا۔ اس چھوٹے سے نکتے سے اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

دنیا کی سیادت و قیادت علم کی محتاج ہے، بغیر علم کے کامیاب قیادت کا تصور ناممکن ہے۔ حضرت طالوت کو اس لئے بادشاہت سونپی گئی کہ آپ علم میں اور جسمانی قوت و صلاحیتوں میں دیگر لوگوں سے بہت آگے تھے، گویا قیادت کے لئے علم اور جسمانی قوت و طاقت کا ہونا ناگزیر ہے۔ حضرت یوسفؑ نے جب بادشاہ مصر سے کہا کہ ملک کے خزانے میرے سپرد کیجئے تو اس کی دلیل یہ پیش کی کہ ''اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ'' ''میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں'' (یوسف)

قرآن نے استفہام انکاری کے اسلوب میں یہ حقیقت بیان کی ہے کہ وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے ہیں برابر نہیں ہوسکتے۔ جو لوگ علم رکھتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک درجات میں بلند ہوتے ہیں۔

آپؐ پر علم کا سرچشمہ قرآن مجید براہ راست وحی کے ذریعہ نازل ہوتا تھا لیکن پھر بھی علم کی طلب میں زبان پر یہ دعا جاری ہوجاتی ''رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً'' (اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما) آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَلْعِلْمُ سِلَاحِی'' (علم میرا ہتھیار ہے) لیکن غلامانہ ذہنیت نے اس علم کو زیور گردانا۔ زیور ناز کی علامت ہے جب کہ ہتھیار قوت و طاقت کا استعارہ ہے۔ زیور کی حفاظت ہم کو خود کرنی پڑتی ہے لیکن ہتھیار ہماری حفاظت کرتا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: روئے زمین پر اہل علم کی مثال ستاروں کی مانند ہے، جن سے زمین و سمندر روشن ہیں۔ اگر یہ ستارے روپوش ہوجائیں تو مسافر راستہ بھٹک جاتے ہیں۔ (احمد)

آپ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی جیسے میری فضیلت تمہارے سب سے معمولی آدمی پر ہے۔ (ترمذی)

علم کا تعلق زندگی کی روح سے جڑا ہوا ہے۔ یہ روح کی غذا اور زندگی کی حرکت کا نام ہے۔ جس طرح جسم کے لئے غذا ضروری ہے اور اس میں کوتاہی انسانی جسم کی کمزور بنادیتی ہے اسی طرح مطالعہ روح کی قوت ہے اس میں کوتاہی روح کی موت ہے۔

مطالعہ آدمی کی شخصیت، بات چیت، چال ڈھال، سوچ و فکر غرض ہر چیز میں نکھار پیدا کرتا ہے۔ راہ عمل میں جستجو اور ذوق میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے طبیعت میں نشاط اور نگاہوں میں تیزی آتی ہے۔ ذہن و دماغ کو تازگی ملتی ہے۔ مطالعہ فرد کی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا بہترین آلہ ہے۔ مطالعہ ہی وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعہ کوئی شخص مصنف کی سالہا سال کی محنت سے چند گھنٹوں میں مستفید ہوجاتا ہے۔

برطانیہ کی ایک یونیورسٹی میں کی گئی تحقیق کے مطابق مطالعہ کی عادت ذہنی تناؤ اور پریشانی کو ۶۸ فیصد تک کم کرتی ہے۔ مطالعہ کی عادت ذہنی اور دماغی انحطاط کو روکتی ہے۔ سوتے وقت اچھی کتاب کا مطالعہ نیند کے لئے مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ کتاب پڑھنے سے ذہنی سکون ملتا ہے اور نیند جلد آتی ہے۔ مطالعہ کی عادت سماجی رابطوں میں بہتری لانے کا سبب بنتی ہے۔ مطالعہ کرنے والے افراد دوسروں

کے عقائد،نظریات،خواہشات اور سوچ کو بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں۔

۲۰۱۴ میں چائلڈ ڈولپمنٹ نامی جریدہ میں شائع شدہ رپورٹ کے مطابق وہ بچے جو سات سال کی عمر سے مطالعہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں وہ دیگر بچوں کے مقابلے میں زیادہ ذہین ہوتے ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ قرآن کریم نے مسلمانوں میں پڑھنے لکھنے کا ایک غیر معمولی ذوق پیدا کر دیا تھا۔ یہ ذوق مذہب کے پس منظر میں پیدا ہوا مگر جب ایک دفعہ پیدا ہوگیا تو صرف مذہب تک محدود نہیں رہا بلکہ علم کی تمام شاخوں تک پھیل گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صدیوں تک مسلمان علم کے میدان کے شہسوار رہے۔مسلمانوں کے زوال کے نتیجہ میں ان کے علمی سرمایہ کو یا تو جلا دیا گیا یا پھر عیسائیوں کے ہاتھوں لگ گیا جس کے ذریعہ انہیں عروج نصیب ہوا۔

مطالعہ میں انہماک کی کیفیت دیکھنا ہو تو ہمیں اسلامی تاریخ کے علماء اور حکماء کو دیکھنا چاہیے۔

اسلامی تاریخ کے مشہور فلسفی ابن رشد کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ پوری زندگی میں وہ صرف دو رات مطالعہ نہیں کر سکے۔ امام رازی سے ہم سب واقف ہیں۔آپ کھانے میں صرف ہوئے وقت پر افسوس کرتے کہ میں اس وقت مطالعہ نہیں کر سکا۔ آپ ہی کا قول ہے: کتابیں انسان کو حیات فانی میں عزت اور حیات دائمی میں ابدی سکون بخشتی ہیں۔ امام جوزیؒ نے زمانہ طالب علمی میں ہی ۲۰ ہزار کتابوں کا مطالعہ کر لیا تھا۔ خود کے بارے میں کہتے ہیں کہ ”دو ہزار جلدیں خود میں نے اپنی انگلیوں سے لکھی ہے“۔آپ نے وصیت کی تھی کہ میرے غسل کا پانی اس کترن اور برادہ سے گرم کیا جائے جو حدیث کی کتابت کے لئے قلم بنانے میں جمع ہوگیا تھا۔ وفات کے بعد ایسا ہی کیا گیا۔ پانی گرم کیا گیا لیکن کترن پھر بھی بچ گئے۔

ابن سینا کو کون نہیں جانتا؟ آپ نے ۱۰ سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔”مابعد الطبیعات“ نامی کتاب کو ۴۰ دفعہ پڑھا۔آپ مطالعہ کرتے اور جب کوئی مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا تو جامع مسجد جا کر گڑگڑا کر دعا مانگتے۔ بادشاہ وقت کا علاج کیا تو اس نے خوش ہو کر انعام دینا چاہا تو آپ نے انعام نہیں لیا بلکہ شاہی کتب خانہ میں مطالعہ کرنے کی اجازت مانگی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ روز آنہ اتنی دیر رات تک مطالعہ کرتے کہ والد کو رحم آجاتا، بار بار آتے اور کہتے کہ شاہ اب تو سو جاؤ۔

علم وتحقیق کسی قوم کے عروج میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ ایک مسلمان کی دنیوی و اخروی کامیابی کا دارومدار بھی علم پر ہے اسی لئے علم کے حصول کی بڑی فضلیت آئی ہے۔علم کی تلاش جہاد ہے۔بے علموں کو علم سکھانا صدقہ ہے۔علم حلال وحرام کا نقشہ ہے۔علم جنت کے راستوں میں روشنی کا منار ہے۔علم تنہائی میں ساتھی اور پردیس میں دوست ہے۔ راحت ومصیبت میں راہنما ہے۔ دشمن کے مقابلے میں ہتھیار ہے۔ جو لوگ علم کی جستجو میں لگے ہوتے ہیں فرشتے ان کے لیے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں۔ ان کی مغفرت کے لیے کائنات کی مخلوقات دعائیں کرتی ہیں۔ رات کے ایک حصہ میں علم سیکھنا اور سکھانا ساری رات کھڑے ہو کر عبادت کرنے سے افضل ہے۔ علم عمل کا راہ نما ہے، علم عمل کا تابع ہے۔خوش نصیب لوگوں کو ہی علم کے حصول کی توفیق ملتی ہے۔ بد بخت اس سے محروم رہتے ہیں۔

***

## سوال وجواب

سوال: ۲۱ فروری کو کون سا دن منایا جاتا ہے؟

جواب: عالمی یوم مادری زبان

سوال: ۳ مارچ ۱۹۲۴ کو اسلامی دنیا میں کون سا عظیم حادثہ رونما ہوا تھا؟

جواب: خلافت عثمانیہ کو ختم کر دیا گیا تھا۔

سوال: تحریک خلافت کے اصل روح رواں کون تھے؟

جواب: مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی۔

سوال: ۲۲ فروری کس عظیم مصنف کا یوم وفات ہے؟

جواب: مولانا ابوالکلام آزادؒ

سوال: آئی۔وائی۔ایف کا موجودہ کل ہند صدر کون ہے؟

جواب: معاذ احمد جاوید

# جدید دور میں
# طالب علم کے مسائل

مرزا اطیب بیگ

**۱۔تعلیمی نظام:**

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین مروّت کے خلاف

شمس احمد پیرزادہ اپنی ایک تحریر میں فرماتے ہیں کہ ”دنیا میں سب سے پہلے علمی انقلاب اسلام نے برپا کیا ہے لیکن اسلام نے جو تعلیمی نظام متعارف کرایا ہے اس میں کسی بھی صورت میں وقت کا زیاں نہیں ہوتا تھا۔موجودہ تعلیمی نظام میں زندگی کے قیمتی پچیس سے تیس برس پڑھائی میں صرف ہوجاتے ہیں۔اس نظام کو اس طرح سے واضح کیا گیا کہ پڑھائی کے ان برسوں میں چاہتے ہوئے بھی کوئی اور کام نہیں کیا جاسکتا۔حالانکہ انسان کی مختصر سی زندگی میں تیس سال کی عمر تک کئی بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے جاسکتے ہیں۔تاریخ اسلام واقعات سے بھری ہوئی ہے جہاں پندرہ سے تیس برس کی عمر کے دوران مسلمان نوجوانوں نے بڑے بڑے معرکے سر کیے ہیں۔اسلام میں جہاد فرض ہے اور جنگی محاذ پر اسی عمر میں کچھ کرکے دکھایا جاسکتا ہے۔ دوسرے شعبوں میں بھی یہی عمر کارنامے انجام دینے کے لیے بہترین ہوتی ہے لیکن ہمارے تعلیمی نظام میں یہ عمر ایسے ضائع ہوجاتی ہے کہ انسان پڑھائی کے سوا اس دوران کچھ نہیں کرسکتا ہے۔قرون اولیٰ کے مسلمان بھی علوم وفنون میں مہارت حاصل کرتے تھے۔انہوں نے بھی بڑے بڑے علمی کارنامے انجام دیے لیکن ان کی پڑھائی میدان جنگ کے ساتھ ساتھ ہوتی تھی۔ان کی پڑھائی سے خاندانی ذمہ داریاں متاثر نہیں ہوتی تھیں ان کی پڑھائی شادی بیاہ میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی وہ کبھی یہ نہیں سوچتے تھے کہ جب تک نوکری نہ مل جائے شادی نہیں کریں گے وہ بھی اپنے اپنے شعبے میں ماہر بن جاتے تھے۔وہ بھی نئی نئی ایجادات سے عالم انسانیت کو فائدہ پہنچاتے تھے لیکن وہ صرف کتابی دنیا میں عمر ضائع نہیں کرتے تھے بلکہ عملی دنیا میں آکر علوم کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ لیتے تھے۔آج نصف سے زیادہ عمر کتابوں کی ورق گردانی میں گزر جاتی ہے۔آج ۹۰ فیصد علوم ایسے ہیں جن کا عملی دنیا میں انسان کو ذرہ برابر فائدہ نہیں ہوتا ہے۔کہنے کا مقصد یہ ہے کہ موجودہ زمانے کی نظام ہائے تعلیم جو مغرب نے وضع کیے ہیں انسانی زندگی کے قیمتی ماہ و سال ضائع کردیتے ہیں۔مسلمانوں کو عالمی سطح پر تعلیم کو Islamise کرنے کے لیے ہنگامی سطح پر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے“(وحدت اکتوبر ۲۰۱۳)

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں کہ ”جدید تعلیم نے معاشی اور سیاسی حیثیت سے ہندوستان کے مسلمانوں کو خواہ کتنا ہی فائدہ پہنچایا ہو مگر ان کے مذہب اور تہذیب کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کی تلافی کسی فائدے سے نہیں ہوسکتی۔“(تنقیحات)

**۲۔مادیت پسندی:**

جدید دور میں ایسا نظام تعلیم رائج ہے جس کے تعلیمی درسگاہوں پر رزق کی کنجیاں لٹکی ہوئی ہیں یعنی یہاں وہی راستہ پائے گا جو یہاں تعلیم حاصل کرے گا۔اس دباؤ میں آکر نوجوان نسلیں آپس میں لڑجھگڑ کر ان تعلیم گاہوں کی طرف گئیں اور وہاں صرف تعلیم ہی نہیں حاصل کی بلکہ وہ سارے نظریات وعملیات بھی سیکھے جن کی روح اسلام کی ضد تھی۔حق تو یہ ہے کہ دینی مدارس سے فارغ طلبہ بھی مادیت پسندی کا شکار ہورہے ہیں۔عیش وعشرت، شہرت و دولت اور نمود ونمائش اور صرف دنیاوی زندگی میں بلندیوں کو چھولینے کا خواب آج کا ہر نوجوان دیکھتا ہے۔یہی خرابی کی اصل جڑ ہے جو نوجوان نسلوں کو اپنی جانب راغب کرتی ہے اور آخرت کے دن ذلت و رسوائی اور ناکامی کا سبب بنے گی۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کو تباہ کرے گا، اور جس شخص کو اپنی آخرت محبوب ہوگی تو اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا۔ تو اے لوگو! تم باقی رہنے والے زندگی کو فنا ہوجانے والی زندگی پر ترجیح دو۔ (مشکوۃ، ابوموسیٰؓ)

**۳۔مخلوط تعلیم اور جنسی بے راہ روی:**

دور جدید کے تعلیمی اداروں میں طلبہ وطالبات کا ایک ہی کیمپس میں درس و تدریس کا طریقہ رائج ہے۔ جس کے ذریعہ آزادانہ ماحول اور باہمی میل جول بڑھتا ہے اور صنف مخالف کو اپنی طرف راغب کرنے اور اس سے قریب ہونے کی فطری خواہش جاگ جاتی ہے اور انسان اس کی تکمیل کی کوشش کرتا ہے اور اس کی وجہ سے محرم غیر محرم اور پردے کا حکم اور نگاہ حفاظت کرنے کا حکم سب پامال ہونے لگتے ہیں۔ اور جنسی بے راہ روی کو فروغ ہوتا ہے ساتھ ہی نوجوان لڑکے لڑکیوں میں عشق و معاشقے کے قصے پروان چڑھتے ہیں جو اپنے ساتھ کئی گھروں اور خاندانوں کو تباہ کردیتے ہیں یہ نہ صرف ایک مسلمان معاشرے کے لیے فتنے کا موجب ہے بلکہ پوری انسانیت کے لیے ایک فتنہ ہے۔

**۴۔لادینیت:**

ایک مسلمان طالب علم کی تعلیم کی شروعات اس کے اپنے گھر اور محلے کے دینی مدرسے اور مسجد سے ہوتی ہے۔ جہاں سے قاعدہ اور دعائیں و کلمہ سکھائے جاتے ہیں پر جیسے جیسے وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتا جاتا ہے اس کے اندر مغربیت اور دین سے دوری واضح ہوتی چلی جاتی ہے دینی گھرانوں سے تعلق رکھنے والے طلبہ بھی اس میں ملوث ہوجاتے ہیں۔ بڑی بڑی یونیورسٹیوں اور اداروں میں اشتراکیت، کمیونزم، سیکولرزم اور الحاد جیسے باطل نظریات سے متاثر ہوکر ہمارا نوجوان دین سے دوری اختیار کرلیتا ہے اور اپنے انجام سے بے خبر ان نظریات کا علمبردار بن جاتا ہے۔ اس طرح مسلمانوں کے نوجوان طبقے میں مذہب بیزاری سرایت کرتی چلی جاتی ہے۔ اس زعم میں وہ آخرت کی زندگی اور روز محشر میں جواب دہ ہونے کو بھلا بیٹھتا ہے۔ ہمارے اندر کئی مثالیں ایسی بھی ہیں جن کے گھر اسلام کا گہوارہ تھے لیکن ان کی اولادوں نے اپنے آپ کو باطل نظریات کے سپرد کردیا۔

خوش تو ہم بھی ہیں جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

**۵۔ذہنی تقید اور جمود:**

آج کل نوجوان یہ سوچتا ہے کہ وہ آزادانہ زندگی جیئے اور کوئی روک ٹوک نہ ہو اور ہر طرح کی قید و بند سے وہ آزاد رہے۔ لیکن یہی چیز اسے ایک ذہنی غلام بنادیتی ہے۔ وہ ترقی یافتہ ممالک میں طرز زندگی کا معیار دیکھتا ہے اور اسے پسند کرنے لگتا ہے وہ چاہتا ہے کہ حیوانوں کی طرح آزادانہ اس وسیع چراگاہ میں ہر جگہ منہ مارے اور اسے نہ کسی چرواہے کا ڈر ہو نہ ہی کسی بھیڑیے کا خوف اور نہ ہی کسی قصائی کی تیز دھار چھری اس کی فرصت میں خلل انداز ہو۔ یہی چیز جو اپنی زندگی میں لانے کی کوشش کرتا ہے جیسے جیسے اعلیٰ تعلیم حاصل کرتا ہے اس کا طرز زندگی، معیار زندگی، چال چلن غرض یہ کہ ہر چیز اقوام مغرب کی طرح ہوتا چلا جاتا ہے جب کہ اسلام ایک طرز زندگی دیتا ہے جس پر عمل کرکے نہ صرف دنیا بلکہ آخرت میں کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

**۶۔تنگ نظری:**

جدید دور کا مسلمان طالب علم افکار و نظریات کے معاملے میں تنگ نظری کا شکار ہوجاتا ہے۔ اسے یورپی اقوام ان کے نظریات طرز زندگی اچھے لگنے لگتے ہیں جس کے باعث وہ اپنے ہی لوگوں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ دوسرے مسلمانوں سے اس کا رویہ تبدیل ہوجاتا ہے اور اسلامی روایات، افکار و نظریات کے لیے اپنے دروازے بند کرلیتا ہے۔

دینی تعلیم حاصل کررہے طلبہ بھی اپنے مکتب فکر، مسلک اور مدرسے سے متعلق تنگ نظر واقع ہوئے ہیں۔ جب یہ تعلیم سے فارغ ہوکر معاشرے میں قدم رکھتا ہے تو اپنے مسلک مکتب فکر کی حمایت میں تنگ نظری کا شکار ہوجاتا ہے۔

**۷۔دینی و عصری علوم میں فرق:**

ہماری قوم کے بڑوں نے دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم کو اس کے مقصد سے علاحدہ کردیا جب کہ دونوں علوم کے حصول کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول اور ایک فریضے کی ادائیگی ہونا چاہیے تھا۔ اس فرق کی وجہ سے عصری تعلیم حاصل کررہے طالب علم کو دینی علوم سے دلچسپی نہ صرف ختم ہوگئی بلکہ نفرت پیدا ہوگئی اور اسی طرح دینی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم نے دنیاوی علوم سے عدم دلچسپی قائم کی اور اسے نفرت کی نظر سے دیکھنے لگا۔ جس کے سبب مسلمانوں کا تعلیمی طبقہ دو حصوں میں تقسیم ہوگیا اور انہیں ایک دوسرے سے کوئی دلچسپی نہ رہی جب کہ ان دونوں حصوں کے وجود کی کوئی حیثیت اور بنیاد ہی نہیں ہے۔ البتہ دینی علوم کو برتری حاصل ہے لیکن عصری علوم کو چھوڑ کر صرف دینی علوم حاصل کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟

**۸۔تاریخ سے ناآشنا:**

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

مشکن از خواہی حیات لازوال
رشتہ ماضی ز استقبال و حال
(تو اگر حیات لازوال چاہتا ہے تو ماضی کا رشتہ حال و مستقبل سے قطع نہ کر)

پوری دنیا میں مسلمان ہی وہ قوم ہے جو سب سے شاندار تاریخ رکھتی ہے اور اپنی تاریخ کی نسبت مستند اور صحیح علم حاصل کرسکتی ہے۔لیکن حیرت کا مقام ہے کہ مسلمان جو صدیوں تک اقوام عالم کے رکھوالے رہے ہیں خود اپنا ماضی بھول چکے ہیں۔ نبیوں کے حالات صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کی زندگیاں، امت مسلمہ کے وہ ستارے جو آج بھی علم کی دنیا میں اظہر من الشمس کی طرح روشن ہیں۔ میدان جنگ میں ان شیروں کی دہاڑیں جسے سن کر باطل اپنی موت آپ مرجاتا تھا۔ان سب سے ناواقف ہمارے نوجوان بوڑھے بچے مرد کیا عورت کیا سبھی اپنی مشغولات زندگی میں مصروف ہیں جسے باطل نے امت محمدیہ کو غافل رکھنے کے لیے بنایا تھا۔

مسلمانوں میں تاریخ سے ناواقفیت اور غفلت کے اسباب یہ ہے کہ

**اول:** علم کا شوق مسلمانوں میں دوسری قوموں کے مقابلے کم ہے۔

**دوم:** علم حاصل کرنے کے مواقع اور اوقات ہمیں میسر نہیں۔

**سوم:** سرکاری مدرسوں اور کالجوں نے اسلامی درسگاہوں میں طلبہ کے داخلے کو کم کردیا۔

مسلمانوں میں جس طبقہ کو تعلیم یافتہ کہا جاتا ہے اور جو ہندوستانی مسلمانوں کا پیش امام سمجھا جاتا ہے وہ سب کا سب سرکاری درسگاہوں اور کالجوں سے ہو کر نکلتا ہے جہاں اسلامی تاریخ تعلیمی نصاب میں موجود نہیں اور اگر کوئی چیز ہے تو اسے اسلامی تاریخ سے موسوم کیا جاتا ہے۔مسلمانوں کے جس طبقے کو کسی قدر بیدار و ہوشیار کہا جاسکتا ہے اس کی بھی یہ حالت ہے کہ اپنے لیکچروں، تقریروں، مضمونوں، کتابوں میں جہاں کہیں تمثیل کی ضرورت پیش آتی ہے تو فوراً یوروپ اور عیسائیوں میں سے مشہور شخص کا نام بلاتکلف کسی زبان اور قلم پر جاری ہوجاتا ہے۔ اس سے زیادہ مستحق سینکڑوں اور ہزاروں مسلمانوں میں سے کسی ایک کا بھی نام ان کو معلوم نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ اور علوم جدیدہ کے واقف کاروں کی اپنی تقریروں میں نپولین، شیکسپیئر، نوٹن وغیرہ کے نام جس قدر کثرت میں پائے جاتے ہیں اس کثرت سے خالد بن ولید، صلاح الدین ایوبی، حسان بن ثابت، ابن سینا، فارابی، ابن رشد وغیرہ کے نام تلاش نہیں کئے جاسکتے۔

اسی طرح وہ قومیں جو اپنی کوئی باعظمت اور پُرشوکت تاریخ نہیں رکھتیں فرضی قصے اور کہانیوں کو تاریخی جامہ پہنا کر افراد قوم و نوجوانان ملک کے سامنے پیش کررہی ہیں اور اس انداز میں پیش کررہی ہیں کہ ان کی صداقت کا یقین ہوجائے۔

**۹۔امت کی بڑی لاپرواہی:**

ہماری نوجوان نسل کا بڑا طبقہ ایسا ہے جو تعلیم سے دور ہے نہ اسے دینی تعلیم حاصل کرنی ہے نہ ہی عصری تعلیم۔محض تعاون اور مدد کے فراہم نہ ہونے کے سبب مزدوری کرنے پر مجبور ہے۔اسی طرح تعلیم حاصل کررہے نوجوانوں کا بڑا طبقہ دین سے دور اور بیزار ہے جب کہ دینی طلبہ عصری علوم سے ناآشنا ہیں۔آج کئی مثالیں ایسی ہیں کہ اگر ان کی صحیح طریقے سے دینی تعلیم و تربیت کی جاتی تو آج وہ اپنے عہدے اور مقام پر اسلام کی روشنی بکھیر رہے ہوتے۔کئی ذہین دماغ ایسے ہیں جنہوں نے دینی تعلیم کو چنا صحیح تعلیم و تربیت فراہم ہونے پر قاسمی، اشاعتی، ندوی اور فلاحی کے ساتھ ساتھ سائنسدان، ڈاکٹر، انجینئر اور وکیل کہلاتے ہیں۔ چند ایک نے واقعتاً اس مثال کو سچا کر دکھایا لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو زمانے کو
ترس گئے ہیں وہ اک جلوۂ شرر کے لئے

***

(بقیہ صفحہ ۳۲ کا)

ہوئی ہیں اس کے بعد جو کام پنپتے ہیں وہ دھیرے دھیرے اس ملک سے اسلامی شناخت اور اسلامی تعلیمات کو مٹانا ہے جس کی طرف اس ملک کی موجودہ حکومت اور فسطائی طاقتیں تیزی سے گامزن ہیں۔اب ایسے میں امت کی قیادت اور باشعور لوگوں کو اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ ان بیتے ہوئے سالوں کا ازالہ کس طرح کیا جاسکتا ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کو احساس کمتری اور اضمحلال کی حالت سے کس طرح باہر نکالا جاسکتا ہے نیز دین اسلام کی راہ میں حائل قوتوں سے نمٹنے کا کیا لائحہ عمل ہونا چاہیے؟

***

# سورت کیس
# مظلومیت کے بیس سال

پرویز نادر

بات شروع ہوتی ہے 11 ستمبر 2001 کو امریکہ میں واقع ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر ایک فدائی حملے سے جس کا الزام القاعدہ پر عائد کیا گیا اور ساتھ ہی اس کا کلیدی کردار اسامہ بن لادن کو قرار دیا گیا جو اس وقت افغانستان میں بطور مہمان رہائش پذیر تھے۔ امن و انصاف اور انسانیت کے نام نہاد علمبرداروں نے افغانستان پر چڑھائی کا سرٹیفکیٹ جاری کیا اور دہشت گردی کی اصطلاح ایجاد کی گئی جس کی نئی نئی تشریحات کی گئیں جو صرف اور صرف اسلام اور مسلمانوں سے منسوب تھیں۔ دنیا بھر میں اسلام پسندوں پر زمین تنگ کی جانے لگی- ایک پورا میدان تیار کیا گیا۔ جہاد اسلامی، اسلامی تعلیمات اور، اسلامی تہذیب پر طعن و تشنیع کا ایک سیلاب امڈ آیا۔ اسی منظر کا حصہ بنتے ہوئے بھارتی حکومت نے 27/ستمبر 2001 کو ایک طلباء تنظیم اسٹوڈنٹ اسلامک موومنٹ آف انڈیا (سیمی) کو ملک کے امن کو خطرہ گردانتے اور غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث قرار دے کر اس پر پابندی عائد کر دی۔ پورے ملک سے ہزاروں افراد جو اس تنظیم سے وابستہ تھے یا نہیں تھے گرفتار کیے گئے۔ ان پر مختلف سخت دفعات کے تحت مقدمات دائر کئے گئے۔ 127 بے گناہ مسلمانوں کی گرفتاریاں پورے سہمے ہوئے ماحول کو مزید خوف ناک بنانے کے لیے 28/دسمبر 2001 کی رات سورت (گجرات) میں چل رہے دو روزہ آل انڈیا اقلیتی تعلیمی بورڈ کے بینر تلے شہر کے اتھوا لائینز کے علاقے راجیشری ہال میں سورت سٹی پولس نے چھاپہ مار کر کل 127 افراد کو گرفتار کیا جو اس وقت کی اب تک کی سب سے بڑی کارروائی تھی۔ ملزمان پر بلکہ یوں کہیے کہ امت کے باشعور افراد جو امت کی ترقی کی تعلیمی راہیں تلاش کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے ان پر تاریکی اور دہشت گردی کا ایک بدنما داغ تھوپنے کے لیے ان کے نادیدہ گناہ ثابت کرنے نیز بلی کا بکرا بنانے کی خاطر گرفتار کیا گیا۔ UAPA (غیر قانونی سرگرمیاں روک تھام) کے تحت مختلف دفعات لگائی گئیں۔ ساتھ ہی پولس نے یہ دعویٰ بھی کیا کے ان ملزمان کا تعلق ممنوعہ تنظیم اسٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ آف انڈیا (سیمی) سے ہے جن کے پاس کالعدم عالمی تحریک القاعدہ سے ربط سے متعلق مواد اور دیسی ہتھیار اسی کے ساتھ اسلامی جہاد پر مشتمل مواد بھی پایا گیا ہے۔ جو دفعات لگائی گئی تھیں اس کی سنگینی دیکھیے کہ سیکشن 3 (کسی انجمن کو غیر قانونی قرار دینے)، 10 (غیر قانونی انجمن کے ممبر ہونے کی سزا)، 13 (غیر قانونی سرگرمیوں کی سزا) اور غیر قانونی سرگرمیاں (روک تھام) ایکٹ 1967 کے 15 (دہشت گردی ایکٹ) جو کہ ترمیم کے بعد مزید خطرناک ہو چکا ہے یہ دفعات لگائی گئیں۔ گرفتار شدگان میں 10 مختلف ریاستوں سے کل 127 لوگ تھے جن کو مستقبل کے اندھیروں میں ڈھکیل دیا گیا۔ اس کے بعد جو ہوا اس سے سب واقف ہیں۔ ملک کی میڈیا کو گویا اگلے ہندوستان کی ایک نئی تصویر مل چکی تھی جس میں اپنی رذیل اور شیطانی صلاحیتوں سے جو چاہے رنگ بھرنے کا سرٹیفکیٹ مل گیا ہو۔ ملک کے مسلمانوں کے خلاف ایک قیامت خیز طوفان برپا کیا گیا۔ اسلامی دہشت گردی پر بڑے بڑے ٹی وی ڈیبیٹ

کروائے گئے اور یہاں سے ہندوستانی مسلمانوں کے آئندہ کے حالات کی نئی پالیسیاں وضع کی گئیں۔ گرفتار شدگان جو اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اپنے ہی معاشرے میں اجنبی ٹھہرے۔ جو لوگ نوکریوں اور بڑے عہدوں پر فائز تھے انہیں اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑا، ایک سال سے زائد کا عرصہ اپنے ناکردہ گناہ کی سزا کاٹ کر جب یہ ظلم، تعذیب و اذیتیں برداشت کر سرخرو ہو کر ضمانت پر رہا ہوئے تو یہ دنیا ان کے لیے اجنبی ہو چکی تھی۔ ملازمتیں و بازار ان کے لیے بند ہو چکے تھے۔ یہ رہائی ان کے لیے سکون کا باعث بنی اور نہ آئندہ کے لیے آسانیاں لیکر آئی۔ معاشرے میں ان کی حیثیت مشکوک ہو چکی تھی۔ جو بھی نیا آفیسر لوکل یونٹ میں آتا تفتیش اور پوچھ تاچھ کے لیے حاضری لگواتا۔ اس کے بعد پورے ہندوستان کے حالات یہ ہو گئے کہ اگلے ہی سال بلکہ کچھ ہی مہینے بعد فروری ، مارچ 2002 میں گجرات ہی میں گودھرا ایکسپریس میں آتشزدگی کا الزام مسلمانوں پر عائد کیا گیا۔ اس کے بعد ریاستی حکومت کی درپردہ اجازت اور سرپرستی میں فسادات بھڑک اٹھے ۔جس میں 2500 مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا جسے عالمی حقوق انسانی نسل کشی کہتی ہے۔ عصمتیں لوٹی گئیں۔ اربوں روپے کا نقصان پہنچایا گیا۔ اس کے بعد بہت سے دہشت گردی کے فرضی واقعات کروائے گئے جن میں بے گناہ اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کو گرفتار کیا گیا۔ قید و بند کی زندگی ظلم و تادیب کی سزائیں اور بدنامی کا داغ دیکر کچھ عرصہ بعد عدالتوں نے انہیں باعزت بری کر دیا اور کچھ کے فیصلے عدالتوں سے باہر فرضی پولس انکاؤنٹر میں کر دیے گئے۔ ایسے بہت سے واقعات اس دوران آپ کو مل جائیں گے جن سے یہ ثابت ہو جائے گا۔ اب آئیے سورت کیس ( گجرات ) کی طرف۔ یہ کیس پورے 19 سال 9 ماہ تک چلا اس دوران پانچ ججوں کے تبادلے کیے گئے جن 127 افراد کو گرفتار کیا گیا تھا۔ ان میں سے پانچ لوگ انصاف کے منتظر بغیر انصاف ملے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ مقدمہ 2002 میں مقدمے کی سماعت کے لیے درج کیا گیا تھا اور اس کیس کی سماعت 2015 میں مکمل ہوئی تھی۔ فیصلہ زیر التواء رکھا گیا جو اپنے اندر خود کئی سوال کھڑے کرتا ہے۔۔۔ 6 / مارچ 2021 کو عدالت نے تمام ملزمان کو باعزت بری کر دیا۔ عدالت نے اس کیس میں ماخوذ 122 افراد کی رہائی کا حکم دیا۔ باقی 5 مزید لوگ گجرات کی دیگر جیلوں میں قید ہیں۔ ان پر مزید مختلف دفعات لگائی گئیں تھیں ۔ حکومت یا استغاثہ ملزمان پر لگائے گئے کسی بھی الزام پر شواہد یا ثبوت پیش نہیں کر پائے۔ اس فیصلے کے بعد وہ لوگ جو انصاف کی لڑائی قریب بیس سال سے لڑ رہے تھے ایک تھکے ہوئے مسافر کی طرح اپنے گھروں کو لوٹ آئے کیوں کے ان کے لیے باعزت بری ہونا صرف مزید پریشانیوں اور مصیبتوں سے بچنا تھا۔ جو فیصلہ ان کے حق میں نا آنے کی صورت میں ان کے ساتھ پیش آنے والے تھے ورنہ تو ان کی بیس سالہ زندگی صرف جسمانی مشقت اور ذہنی اذیت ہی میں کی گزری ہے جو کسی سزا سے کم نا تھی۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں مجموعی طور پر گرفتار کیا گیا تھا۔ یہ اور ایسے ہزاروں افراد جنہیں فرضی اور جھوٹے الزامات کے تحت گرفتار کر برسوں بعد ان کی باعزت رہائی، نہ انہیں معاشرے میں وہ مقام دلا سکتی ہے جو اس سے پہلے تھا اور نہ ان کے ان نقصانات کی تلافی کر سکتی ہیں جو اس دوران ہوئے۔ انگریزوں سے آزادی کے بعد جتنے واقعات وقوع پذیر ہوئے ہیں انہیں دیکھتے ہوئے نہ یہاں کہ سسٹم سے عدل و انصاف کی کوئی امید ہے اور نہ آئندہ توقع کی جا سکتی ہیکہ اس میں کوئی تبدیلی آئے گی۔ دوسری طرف میڈیا کا کردار جتنا مجرمانہ ہے اس سے بھی کوئی حق و انصاف کی تائید و آواز اٹھانے کی ذرا سی بھی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ بے گناہ افراد کی رہائی پر کسی ایک بڑے نیوز چینل نے بھی اس نیوز کو کور نہیں کیا یہی معاملہ جب کسی ایک فرد کی گرفتاری کا ہو تو ایک ہنگامہ برپا کر دیا جاتا ہے۔ اس تنظیم پر پابندی اس سے منسلک افراد کی گرفتاریاں، اس کے پس پردہ حالات کو دیکھیے، ان بیس برسوں میں پورا منظر بدلا گیا ہے جس میں مجموعی طور پر کئی مقاصد حاصل کیے گئے جن کا فائدہ صرف اور صرف فسطائی طاقتوں اور اسلام دشمن عناصر کو ہونا تھا۔ یہ صرف ایک تنظیم کو پابند کرنا یا کچھ افراد کو پابند سلاسل کرنا نہ تھا۔ یہ تو ایک گریٹ گیم تھا جس کے پس پردہ ہندوستانی مسلمانوں کو ہراساں کرنا اور انہیں غلامانہ ذہنیت کا شکار کر کے اسلامی تہذیب، اسلامی فکر اور اسلامی نظام زندگی سے برگشتہ کرنا تھا۔ ڈر اور خوف کا ماحول پیدا کر کے حریت و آزادی کی ساری قوتیں معطل کرنے کی ایک سوچی سمجھی سازش تھی۔ ہندوستان کی سطح پر امت مسلمہ کی وحدت کو توڑ کر مضبوط قیادت کو توڑنا تھا جس میں اسلام دشمن طاقتیں کامیاب بھی

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

# ہمارے لیے میانمر اور سری لنکا بھی سپر پاورز کیوں ہیں؟

شاہنواز فاروقی

فی زمانہ اس روئے زمین پر مسلمانوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ ہندو ہمیں ہندوستان میں مار رہے ہیں، یہودی ہمیں اسرائیل میں فنا کررہے ہیں، بدھسٹ ہمیں میانمر میں مٹانے پر تُلے ہوئے ہیں، عیسائی اور سیکولر عناصر ہمیں امریکا اور یورپ میں دیوار سے لگا رہے ہیں، چینی ہمیں چین میں اسلام ترک کرنے پر مجبور کررہے ہیں۔ مسلمان جائیں تو جائیں کہاں؟ اس حوالے سے چار خبروں پر ایک سرسری نظر ڈال لینا مفید ہوگا۔

پہلی خبر یہ ہے کہ سوئٹزرلینڈ میں ہونے والے ایک ریفرنڈم میں سوئٹزرلینڈ کے باشندوں کی اکثریت نے برقعے پر پابندی کے حق میں ووٹ دیا ہے۔ اس سے قبل فرانس، ہالینڈ اور کئی دوسرے یورپی ممالک میں بھی حجاب کو خلاف قانون قرار دیا جاچکا ہے۔

دوسری خبر یہ ہے کہ ہندوستان کے مدارس میں ہندوؤں کی مقدس کتب گیتا اور رامائن پڑھانے کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کا ردعمل سامنے آیا تو حکومت کی طرف سے کہا گیا کہ مدارس کے نصاب میں گیتا اور رامائن کو اختیاری مضامین کی حیثیت سے شامل کیا جائے گا۔

تیسری اطلاع یہ ہے کہ سری لنکا میں برقعے اور ایک ہزار سے زیادہ مدارس پر پابندی کا اعلان کیا گیا ہے۔ سری لنکا کی حکومت کے مطابق برقع سری لنکا کی قومی سلامتی کے لیے خطرہ اور انتہا پسندی کی علامت ہے۔ سری لنکا کے ایک وزیر نے کہا کہ سری لنکا کی خواتین ماضی میں برقع نہیں پہنتی تھیں۔ اس سلسلے میں شور مچا تو سری لنکا سے یہ خبر آئی کہ برقع پر پابندی ابھی صرف ایک ''تجویز'' ہے۔

چوتھی خبر کے مطابق بھارت کے ایک شہری ملعون وسیم رضوی نے جو بھارتی ریاست اتر پردیش میں شیعہ وقف بورڈ کا چیئرمین رہا ہے، عدالت عظمیٰ میں ایک درخواست دائر کی ہے۔ درخواست میں استدعا کی گئی ہے کہ معاذ اللہ، قرآن مجید سے اس کی ان 26 آیات کو خارج کردیا جائے جو ملعون وسیم رضوی کے مطابق تشدد پر اُبھارنے والی ہیں۔

مذکورہ بالا حقائق بتا رہے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کا ہر جگہ محاصرہ کیا جارہا ہے۔ اس وقت روئے زمین پر مسلمانوں کی کمزوری کا یہ عالم ہے کہ ان کے لیے امریکا، یورپ اور چین ہی نہیں میانمر اور سری لنکا تک سپر پاورز بنے ہوئے ہیں۔ میانمر کے حکمران کئی دہائیوں سے میانمر کے مسلمانوں کی نسل کشی کررہے تھے۔ میانمر کے مسلمانوں پر پابندی کا یہ عالم تھا کہ میانمر کے مسلمان ایک تھانے کی حدود سے نکل کر دوسرے تھانے کی حدود میں جاتے تھے تو انہیں اپنی نقل و حرکت کی اطلاع متعلقہ تھانے کو دینی پڑتی تھی۔ میانمر کے مسلمان اپنی مرضی سے شادی بھی نہیں کرسکتے تھے۔ انہیں شادی کرنے کے لیے درخواست دینی پڑتی تھی۔ میانمر کی حکومت برسوں تک یہ درخواستیں دبا کر بیٹھی رہتی تھی۔ لیکن میانمر کے بدھ حکمراں اور عوام اس پر مطمئن نہ ہوئے۔ انہوں نے مسلمان کا بڑے پیمانے پر قتل عام کیا۔ ہزاروں مسلم خواتین کی عصمتیں تار تار کیں۔ سیکڑوں مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا اور پھر چھ لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو میانمر سے بے دخل کرکے انہیں بنگلادیش میں دھکیل دیا گیا۔ بدقسمتی سے 56 آزاد مسلم ریاستوں کے حکمراں تماشا دیکھتے رہے اور انہوں نے میانمر کے

مسلمانوں کے تحفظ کے لیے کچھ نہیں کیا۔ سری لنکا میں کورونا کی وبا پھیلی تو حکومت نے کورونا کا شکار ہونے والے مسلمانوں کی لاشوں کو نذر آتش کرنا شروع کر دیا اور 300 سے زیادہ مسلمانوں کو قبریں ہی نصیب نہ ہوسکیں۔ بدقسمتی سے ایک بار پھر پوری مسلم دنیا کے حکمرانوں نے بے حسی کا مظاہرہ کیا اور سری لنکا کے مسلمانوں کو تنہا چھوڑ دیا گیا۔ بالآخر عمران خان سری لنکا کے دورے پر گئے اور انہیں یہ توفیق ہوئی کہ وہ سری لنکا کے مسلمانوں کو تدفین کا حق دلائیں۔ امریکا، یورپ اور چین مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں تو مسلم حکمراں کہتے ہیں کہ ہم ان طاقتوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے مگر بدقسمتی سے مسلم حکمراں تو میانمر اور سری لنکا کا بھی کچھ نہیں بگاڑ پائے۔ ہمارے حکمرانوں کے لیے تو میانمر اور سری لنکا جیسے ملک بھی سپر پاورز ثابت ہوئے۔ سوال یہ ہے کہ روئے زمین پر مسلمانوں کی اس حالت زار کا سبب کیا ہے؟

رسول اکرمؐ کی ایک حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ ایک وقت آئے گا جب اسلام دشمنی کی طاقتیں مسلمانوں پر اسی طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح بھوکے دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا کہ کیا اس وقت مسلمان تعداد میں کم ہوں گے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا نہیں۔ تم تعداد میں زیادہ ہو گے مگر تمہارے اندر دو بیماریاں پیدا ہوجائیں گی۔ ایک دنیا کی محبت اور دوسری موت سے کراہیت۔

بدقسمتی سے ہم رسول اکرمؐ کے اس ارشاد مبارک کو اپنی آنکھوں کے سامنے سچا ثابت ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ مسلم معاشروں میں خواص ہوں یا عوام سب دنیا کی محبت میں مبتلا ہیں۔ مسلم حکمرانوں کی دنیا پرستی کی کوئی ایک نہیں کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ مسلم حکمراں اس لیے مظلوم مسلمانوں کی مدد نہیں کرتے کہ امریکا، یورپ اور چین ناراض ہوجائیں گے۔ ان کی دنیا پرستی کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنے اقتدار کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ انہیں خیال آتا ہے کہ مظلوم مسلمانوں کے سلسلے میں ہمارے تحرک سے کہیں ہمارا اقتدار خطرے میں نہ پڑ جائے۔ انہیں اس سلسلے میں یہ خیال بھی دامن گیر رہتا ہے کہ دنیا ہمارا سیاسی اور معاشی بائیکاٹ نہ کر دے۔ مسلم حکمراں اس خوف میں بھی مبتلا رہتے ہیں کہ دنیا انہیں بھی ''انتہا پسند'' اور بنیاد پرست نہ سمجھنے لگے۔ مسلم حکمرانوں کی دنیا پرستی کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ اپنے عوام ہی کو ''دوسرا'' خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے ممالک کے مسلمان تو انہیں ''دوسرے'' سے بھی آگے کی چیز نظر آتے ہیں۔ مسلم معاشروں میں زندگی کی ''حرص'' اور موت سے کراہیت عام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد موت کو زندگی کا اختتام سمجھتی ہے حالاں کہ موت صرف ''عارضی زندگی'' کا اختتام ہے۔ موت سے ''دائمی'' زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اردو شاعری موت کے اس تصور سے بھری پڑی ہے۔ میر نے کہا ہے:

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

اقبال نے اس سلسلے میں فرمایا ہے:

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی ہے
یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

اسلامی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مسلمانوں نے جب جب دین کے مطابق زندگی بسر کی ہے انہوں نے موت کے خوف پر قابو پایا ہے اور انہوں نے موت کو خدا سے ملاقات کی ایک صورت سمجھا ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی بداعمالی انہیں موت کے خوف میں مبتلا کرتی ہے۔ مسلمانوں کی بداعمالی مسلمانوں میں موت سے کراہیت پیدا کرتی ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری میں عشق اور موت کے تعلق کے حوالے سے ایک بنیادی بات کہہ رکھی ہے۔ اقبال نے کہا ہے:

کھول کے کیا بیاں کروں سرِّ مقامِ مرگ و عشق
عشق ہے مرگِ باشرف، مرگ، حیاتِ بے شرف

اقبال کہہ رہے ہیں کہ میں تم سے موت اور عشق کے اسرار کیا بیان کروں بس تم یہ سمجھ لو کہ جو موت عشق کی حالت میں آئے وہ شرف سے ہمکنار موت ہے اور جو موت عشق کے بغیر آئے وہ شرف سے محروم زندگی کے سوا کچھ نہیں۔ اقبال کے نزدیک موت جس عشق پر حاوی ہوجائے وہ عشق، عشق نہیں اور ایسے انسان کی زندگی زندگی کہلانے کی مستحق نہیں۔ اقبال نے اس سلسلے میں فرمایا ہے:

وہ عشق جس کی شمع بجھا دے اجل کی پھونک
اس میں مزا نہیں تپش و انتظار کا

عشق کا ذکر آیا ہے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اقبال کے الفاظ میں مسلمانوں کی موجودہ حالت زار کا ایک سبب یہ ہے کہ مسلمان عشق کی حرارت سے محروم ہوگئے ہیں۔ اقبال نے کہا ہے:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اقبال کے الفاظ میں مسلمان اس وقت تک

مسلمان تھے جب تک ان کے دل عشق کی آگ سے روشن تھے۔ آج کے مسلمان، مسلمان نہیں صرف راکھ کا ڈھیر ہیں۔ ہماری تہذیب میں عشق انسانی وجود کی کلیّت کا استعارہ ہے۔ عشق وہ قوت ہے جو انسان کو حیوان سے انسان بناتی ہے۔ جو انسانی تہذیب کی صورت گری کرتی ہے۔ اقبال کی شاعری میں عشق کے درجنوں پہلو بیان ہوئے ہیں۔

عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

عشق کے خورشید سے شامِ اجل شرمندہ ہے
عشق سوزِ زندگی ہے تا ابد پائندہ ہے

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثبات و دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رَو
عشق خود اک سَیل ہے سَیل کو لیتا ہے تھام

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

عشق دمِ جبرئیل عشق دلِ مصطفیٰؐ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

عشق کے یہ سارے رنگ جب تک مسلمانوں کی زندگی کا حصہ تھے وہ وقت کی سپر پاور تھے۔ وہ دنیا کے امام تھے۔ وہ انسانیت کی معراج تھے۔ وہ تہذیب کے صورت گر تھے۔ عشق کے یہ رنگ مسلمانوں کی زندگی سے نکلے تو وہ اقبال کے الفاظ میں راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئے۔ مسلمانوں کے زوال کا ایک سبب یہ ہے کہ مسلمان حاضر و موجود کے پرستار بن گئے ہیں اور وہ اپنی دنیا آپ پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ اس حوالے سے اقبال نے صاف کہا ہے:

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

اس کے ساتھ ہی اقبال نے کہا ہے:

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِ آدم ہے، ضمیر کُن فکاں ہے زندگی

اقبال کہہ رہے ہیں کہ زندہ انسان وہی ہے جو اپنی دنیا آپ پیدا کرتا ہے جو تخلیق آدم اور کُن کے راز کا محرم ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کی عظیم اکثریت اس وقت مغرب کی پیدا کردہ دنیا کو اپنی دنیا سمجھ رہی ہے۔ مسلمان اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کے بجائے مغرب کی پیدا کردہ دنیا میں کسی نہ کسی طرح "Adjust" ہونے کے تمنائی ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ انہیں بھی مغرب کی دنیا میں "ایک مکان" اور مغرب کے بازار میں "ایک دکان" مل جائے تو وہ بھی "ترقی یافتہ" ہو جائیں۔ مسلمانوں کے شعور میں یہ بات اب تک راسخ نہیں ہو سکی کہ مسلمانوں کے عشق کی چند چنگاریوں نے افغانستان میں تواتر کے ساتھ وقت کی دو سپر پاورز کو شکست سے دوچار کیا ہے اور مسلمانوں نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کا دین انہیں آج بھی اپنی دنیا تخلیق کرنے کے قابل بنا سکتا ہے اور مسلمان راکھ کے ڈھیر سے سپر پاور بن سکتے ہیں۔

***

## غلبۂ حق

میں نے کہا: "دنیا میں حق کے غلبے کے کوئی آثار نمایاں نہیں ہیں، اہلِ حق ہر طرف پریشان، بے سروسامان و تہی داماں ہیں، جہاں وہ آواز بلند کرتے ہیں وہاں قید و بند کی صعوبتیں ان کا انتظار کرتی ہیں۔ آخر اہلِ حق کا کلمہ کیسے بلند ہوگا، وہ کرے تو کیا کریں؟؟

" (غم و پریشانی کے عالم میں، میں بولتا ہی چلا جا رہا تھا۔ اس نے میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھا، میری غمگین آنکھوں میں اندر تک جھانکا اور)

اس نے کہا: "ماہر القادریؒ کا ایک شعر سننا چاہو گے"؟

(میں نے سر کو خم دے کر خاموش آواز میں اجازت دی۔)

اس نے کہا:

"غم سے گھبرا کر کہا کہ شادمانی چاہیئے
اے دلِ کم ظرف تجھکو شرم آنی چاہیئے
بابِ زندہ بند، گلشن دور، زخمی بال و پر
طاقتِ پرواز پھر بھی آزمانی چاہیئے"

غضنفر ایوبی

# سماجی فاصلہ
# یا
# جسمانی فاصلہ

ابونشر

آج کل دنیا بھر میں Social Distancing کی اصطلاح کا بڑا چرچا ہے۔ جب سے کورونا وبا کی تیسری لہر آئی ہے، یہ اصطلاح کچھ زیادہ ہی لہرا رہی ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ 'سماجی فاصلہ' کیا گیا ہے۔ لفظی ترجمہ تو ٹھیک ہی ہے، مگر Distancing کا درست ترجمہ 'تفاصُل' ہونا چاہیے تھا۔ شاید اس لیے نہیں ہوا کہ اگر لوگوں سے کہہ دیا جاتا کہ 'سماجی تفاصُل' اختیار کیجیے، تو لوگ بدک جاتے: ''کورونا کی وبا ہی کیا کم تھی کہ یہ ایک نئی بلا بھی آ گئی..... سماجی تفاصُل''۔

اہلِ خبر بھی اِدھر اُدھر بھاگتے پھرتے کہ 'ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر' (عاشقی کی دوسری مصیبتوں کے اوپر یہ نئی مصیبت بھی آ گئی)۔ پریشانی کے اوپر ایک ''پریشانا'' بھی آدھمکا۔

مگر سچ پوچھیے تو اس وبا سے بچنے کے لیے جو چیز اختیار کی جارہی ہے وہ ''سماجی فاصلہ'' نہیں، ''جسمانی فاصلہ'' ہے۔ سماج میں تو فاصلے پہلے ہی سے موجود تھے۔ باپ اور بیٹے میں سماجی فاصلہ۔ ماں اور بیٹی میں سماجی فاصلہ۔ بلکہ فرد اور سماج میں تو اچھا خاصا فاصلہ عرصۂ دراز سے چل رہا ہے۔ فرد کو سماج کی پڑی ہے، نہ سماج کو فرد کی۔ پھر حکام اور عوام میں تو سدا کا سماجی فاصلہ رہا ہے، بقول رحمٰن کیانی:۔

زردار گھر بناتے ہیں محروم سے الگ
حاکم کی قبر ہوتی ہے محکوم سے الگ

یہاں تک کہ اگر حاکم کی گاڑی گزر رہی ہو تو فاصلہ برقرار رکھنے کے ذمہ دار اہل کار عوام کو اِس گاڑی کو اَگاڑی سے خاصے فاصلے پر کھڑا کر دیتے ہیں۔ گھوڑے گدھوں کی پچھاڑی سے تو عوام احتیاطاً خود ہی فاصلے پر رہتے ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ سماجی فاصلہ اور چیز ہے، جسمانی فاصلہ اور چیز۔ وبائی امراض کے مریض کا جسم چھو لینے سے مرض کے جراثیم صحت مند جسم میں منتقل ہو جاتے ہیں، اور کورونا کے جراثیم کا تو کچھ بھروسا ہی نہیں کہ نہ جانے کس کس پر سوار ہو کر سفر کر رہے ہوں، لہٰذا لوگوں سے یہ کہنا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے سے ''جسمانی فاصلہ'' رکھیں۔ اور یہی وہ عملاً رکھ بھی رہے ہیں۔

سماجی فاصلے تو صاحبو! وبا کے اِن دنوں میں شاید کم ہی ہوئے ہیں، بڑھے نہیں۔ بچھڑے ہوئے لوگ سماجی ذرائع ابلاغ کی مدد سے ایک دوسرے کے قریب آ گئے ہیں۔ جو لوگ بیرونِ ملک چلے گئے تھے اور اُن کا اتا پتا نہیں مل رہا تھا، وبا کے دنوں میں واٹس ایپ پر 'آملے پھر سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک'۔ شاعر حضرات جو کورونا کے ڈر سے اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل (Lock Down) کیے بیٹھے یا لیٹے ہوئے تھے، اس وبا کی بدولت گھر بیٹھے نہ صرف دوسرے شہروں بلکہ دوسرے ملکوں تک (زُوم کے ذریعے سے) پہنچ پہنچ کر مشاعرے لوٹنے لگے۔ بھلا بتائیے، کیا اب آپ ان سے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت! سماجی فاصلہ برقرار رکھیے۔ فاصلے تو عزیزو! بیٹھے بٹھائے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں جہاں اور بہت سی باتیں ایسی ہو رہی ہیں جو کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں آئی تھیں، وہیں بیچارے عدیمؔ

ہاشمی کے ساتھ بھی ایک دن ہاتھ ہوگیا۔ Social Distancing دیکھ کر بھونچکا رہ گئے۔ کہنے لگے:۔

فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تھا میرے اور وہ میرا نہ تھا

قرنطینہ کے لیے بنائے گئے 'شیشہ گھر' کے باہر کھڑے ہوکر کہی ہوئی اس غزل میں اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ ''میں اُسے محسوس کرسکتا تھا، چھوسکتا نہ تھا''۔ اور یہ بھی کہ:

مصلحت نے اجنبی ہم کو بنایا تھا عدیمؔ
ورنہ کب اک دوسرے کو ہم نے پہچانا نہ تھا

وغیرہ۔ یہ ساری علامتیں کورونائی ہیں۔

مصلحت کا قرنطینہ ہو یا قرنطینہ کی مصلحت
جانے پہچانے لوگ بھی اجنبی نظر آتے ہیں

ہمارے ذرائع ابلاغ کے پھیپھڑوں میں پھٹ پھٹراتا ہوا 'انگلش فوبیا' بھی شاید بدیسی کورونا ہی کی کوئی وبا ہے۔ تب ہی تو ابلاغیات کی نئی نسل انگریزی کا ڈھاٹا باندھ کر اردو سے ایک ''سماجی فاصلے'' پر کھڑی ہوگئی ہے۔ اپنے اِن نوجوانوں میں قوتِ مدافعت پیدا کرنے کے لیے ہم پچھلے (وَبازدہ) سال سے اردو کی جُدرین (Vaccine) جمعے کے جمعے دیے جارہے ہیں، مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس سے بھی صرف پینسٹھ سال سے اوپر کے بزرگ ہی استفادہ کررہے ہیں۔ کبھی کبھی خوراک بڑھ جانے پر بڑبڑانے بھی لگتے ہیں۔ بہرحال تیماردار کا فرض تو مریض کو بہلا پھُسلا کر خوراک دینا ہے، خواہ وہ چیخے یا چلّائے یا بڑبڑائے۔ سو، نئی نسل کو معلوم ہو کہ فاصلے کا لفظ فصل سے بنا ہے۔ فصل کا مطلب ہے جدائی۔ یہ وصل کی ضد ہے۔

مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں:

تُو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

یعنی تُو لوگوں کو ملانے کے لیے آیا ہے، نہ کہ انھیں جدا کرنے کے لیے۔ اسی طرح 'فاصِل' جدا کرنے والے یا فاصلہ پیدا کرنے والے کو کہتے ہیں، اور واصل ملانے یا جوڑنے والے کو کہتے ہیں۔ سلیمؔ احمد کی ایک حمد کا یہ مشہور شعر شاید آپ نے بھی پڑھا ہوگا:

ہے خطِ واصل کہ حدِ فاصل کہ قوس کے قوس ہے مقابل
سلیمؔ عاجز ہے فہم کامل، کہاں بشر ہے، کہاں خدا ہے

'فصل' ہی سے دوری اور مسافت کے معنوں میں لفظ فاصلہ بنا۔ امیرؔ مینائی کہتے ہیں:

پڑی نگاہ جو دل پر تو حسرتوں نے کہا
کہ تیر بھر کا ہے دلبر سے فاصلہ دل کا

الگ الگ کرنے کے مفہوم سے فصل کے وہ معنی بھی پیدا ہوئے جو رُت یا موسم کے ہیں۔ ہر رُت الگ، ہر موسم جدا ہوتا ہے۔ اسی نسبت سے پیداوار اور کھیت کو بھی فصل کہا گیا۔ 'ہر طرف فصلیں لہلہا رہی ہیں'۔ یا 'اس سال گنے کی فصل اچھی ہوئی ہے'۔ سال کو بھی چار فصول میں بانٹ دیا گیا۔ گرما، سرما، خزاں، بہار۔ مومنؔ کا شعر ہے:

کیا گل کھلے گا دیکھیے ہے فصلِ گل تو دور
اور سُوئے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم

اس بھاگا دوڑی کے باوجود کتاب کو ابواب میں تقسیم کردیا گیا اور اسے بھی فصل کہا گیا۔ جب باہر بھاگنے والوں کو روکنے کے لیے یا باہر سے بھاگ بھاگ کر اندر آنے والوں کے رستے بند کرنے کے لیے شہر کے اردگرد چار دیواری کھینچی گئی تو وہ بھی ''فصیل'' کہلائی۔ کسی واقعے یا کسی معاملے کے تمام ٹکڑے ایک ساتھ جوڑ کر بیان کردیے جائیں تو اسے ''تفصیل'' کہتے ہیں، اور تفصیل اس طرح پوچھی جاتی ہے:

اب ذرا تفصیل سے اے قاصدِ خوش رو بتا
پہلے اُس نے کیا کہا؟ پھر کیا کہا؟ پھر کیا کہا؟

فصل کا ایک معنی جھگڑا چکانا بھی ہے۔ یعنی غلط اور صحیح کو جدا جدا کردینا۔ اسی کو فیصلہ کہتے ہیں۔ قیامت کے دن کو ''یوم الفصل'' کہا گیا ہے۔ یعنی فیصلے کا دن۔ اُس دن سارے جھگڑے چکا دیے جائیں گے۔ فیصلہ کرنے والے کو ''فیصل'' کہتے ہیں، خواہ وہ قاضی و حاکم ہو یا کوئی بات۔ فیصلہ کردینے والی بات ''فیصلہ کُن بات'' یا ''قولِ فیصل'' کہلاتی ہے۔ بات سماجی فاصلے یا جسمانی فاصلے سے چلی تھی۔ عادت سے مجبور کالم نگار فاصلہ اختیار کرتے کرتے کھیت میں گھس گیا اور فصلیں خراب کرنے لگا۔ حالاں کہ یہ کام فصلی بٹیرے بہ تمام و کمال کررہے تھے۔ مگر آپ اِس فیصلے پر نہ پہنچ جائیے گا کہ فاصلہ اختیار کرنے کے لیے صَرف ونحو کی یہ سب تفصیل جاننا ضروری ہے۔ جی نہیں۔ اس کے بغیر بھی آپ منہ پر ڈھاٹا باندھ کر مزے سے فاصلے پر کھڑے رہ سکتے ہیں۔ البتہ اگر یہی تفاصیل آپ بھی بیان کرنا شروع کردیں تو امید ہے کہ دوسرے لوگ بھی فاصلے ہی پر رہا کریں گے۔

***

# روزہ
# اور خواتین کے مسائل

مروہ عبدالعظیم فلاحی

روزہ دین اسلام کا ایک اہم رکن ہے روزہ کو عربی زبان میں صوم کہتے ہیں لفظ صوم کے اصل معنی رکنے کے ہیں خاص طور سے کھانے پینے سے رکنے کے لیے لفظ صوم کا استعمال کیا جاتا ہے۔گھوڑا جب چارہ پانی چھوڑ دیتا تھا تو عرب کے لوگ کہتے "صام الفرس علی عاریه"(قاموس الفقه. جلد4)

شرعی لحاظ سے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور عمل مباشرت سے رک جانے کا نام روزہ ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الي الیل"

ترجمہ:

"کھاؤ اور پیئو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہو کر تم پر واضح ہو جائے۔" (سورۃ البقرہ:۱۸۷)

## رمضان کے روزہ کی فرضیت:

رمضان کے روزے فرض ہیں اور اسکی فرضیت پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ شاہد ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے اہل سیر کے مطابق رمضان کے روزے ہجرت کے دوسرے سال فرض کئے گئے (۔البدایہ والنہایہ۔ 3/ 254) قرآن مجید میں رمضان کے روزے کی فرضیت کے سلسلہ میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

"یایها الذین أمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون"

ترجمہ:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے کی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم تقوی کی روش اختیار کرو" (سورۃ البقرہ:۱۸۳)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه"

ترجمہ:

"جس شخص نے بحالت ایمان اجر وثواب کی نیت سے روزہ رکھا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔"

(صحیح البخاری، 1/: 10/کتاب الایمان/رقم الحدیث:38)

اسی طرح دوسری جگہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کل عمل ابن أدم یضاعف الحسنة بعشر امثالها الی سبع مأة ضعف الی ما شاء الله یقول الله تعالی :الا الصوم فإنه لي و انا أجزي به"

ترجمہ:

"آدم کے بیٹے کا نیک عمل دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک آگے جتنا اللہ چاہے بڑھایا جاتا ہے اللہ تعالی نے فرمایا "روزہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دونگا"۔

(ابن ماجه، السنن، کتاب الصیام، باب ما جاء في فضل الصیام، 2:305، رقم:1638)

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ روزہ کی اہمیت

وفضیلت دیگر عبادات کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ اور بے حساب ہے

اسی طرح روزہ دار کو اجر وثواب کے ساتھ ساتھ بے انتہا خوشیاں بھی ملیں گی جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"للصائم فرحتان یفرحها: اذا افطر فرح وإذا لقی ربه فرح بصومه"

ترجمہ:

''روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں :ایک جب وہ افطار کرتا ہے اور دوسرا جب وہ اللہ سے ملاقات کرے گا ''(صحیح بخاری کتاب الصوم، باب هل یقول إنی صائم إذا شتم)

## روزۂ رمضان اور خواتین کے مسائل:

روزہ کسی نہ کسی صورت میں تمام امتوں پر فرض رہا ہے اور یہ اسلام کے ارکان خمسہ کا ایک اہم رکن ہے۔اس فریضہ کی ادائیگی تمام لوگوں پر فرض ہے۔ بغیر کسی شرعی عذر کے روزہ نا رکھنا حرام ہے۔

رمضان کا روزہ اگرچہ سب پر فرض ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی تمام لوگوں سے مطلوب ہے لیکن شرعی عذر کی بناء پر روزہ نہ رکھنے کی شریعت اسلامیہ میں اجازت دی گئی ہے۔خواتین کے ساتھ بہت سے ایسے مسائل پیش آتے ہیں جن میں شریعت نے ان کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے رکھی ہے ایسی خواتین اور ان کے مسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

## حیض ونفاس اور خواتین:

حیض و نفاس ایسے عذر ہیں جسکی وجہ سے عورت کے لئے روزہ نہ رکھنا واجب ہو جاتا ہے کیونکہ روزہ کے صحیح و درست ہونے کے لئے حیض و نفاس سے پاک ہونا شرط ہے۔خواتین اگر حیض و نفاس سے پاک ہوگئی ہوں اور انہوں نے غسل نہ کیا ہو تب بھی ان کا روزہ درست ہو جائیگا البتہ روزہ کے لئے جنابت سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے (قاموس الفقہ۔4/288)

دوران روزہ اگر روزہ دار عورت کو حیض شروع ہو جائے یا نفاس کا خون آجائے تو ایسی عورت کے لئے روزہ کھولنا واجب ہوگا کیونکہ ایسی حالت میں روزہ رکھنا حرام ہے اور یہ روزہ باطل ہوگا اور اس کی قضا لازم آئیگی اس مسئلہ پر پوری امت کے علماء کا اجماع ہے۔

حیض و نفاس والی عورت اگر فجر سے پہلے پاک ہو جائے تو اس پر اسی وقت اس دن کے روزہ کی نیت کرنا واجب ہو جاتا ہے خواہ طلوع فجر سے ایک لحظہ پہلے ہی پاک ہوئی ہو۔

اگر کسی عورت کو حیض کسی مقررہ دن میں ہی آتا ہو اور ایسی عورت یہ سوچ کر کہ کل مجھے حیض شروع ہو جائیگا اور روزہ کی نیت نہ کرے اور دن کو روزہ نہ رکھے تو اس پر کفارہ واجب ہوگا خواہ اس دن اس کو حیض شروع ہی کیوں نہ ہو جائے اس لئے کہ اس عورت نے سبب نہ ہونے کی صورت میں ہی روزہ نہ رکھنے کی نیت کر لی تھی۔

اگر کسی عورت کو دوران روزہ حیض شروع ہوگیا تو احترام روزہ کی بناء پر ایسی عورت کو چاہئے کہ وہ باقی دن کھانے پینے سے باز رہے۔رمضان کے علاوہ بقیہ دنوں میں اگر روزہ رکھے تو روزہ فاسد ہونے کی صورت میں باقی سارا دن کھانے پینے سے باز رہنا ضروری نہیں ہے۔اسی طرح حائضہ کا حیض دن میں کسی وقت بند ہوگیا ہو تو بقیہ دن ایسی عورت احترام رمضان کی وجہ سے بقیہ سارا دن کھانے پینے سے باز رہے گی۔حیض ونفاس شرعی عذر ہیں اور روزہ کی صحت کے لئے عورت کا حیض و نفاس سے پاک ہونا شرط ہے اس لئے رمضان کے دنوں میں ان کی موجودگی میں شریعت نے عورتوں کو روزۂ افطار کی رخصت دی ہے لیکن بعد کے دنوں میں ان روزوں کی قضا لازم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

''فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر''

ترجمہ:

''اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد کو پوری کرے۔''(سورۃ البقرۃ:۱۸۵)

## حاملہ اور مرضعہ خواتین کے روزے:

مرضعہ عورت کا بچہ جب تک کھانے پینے نہ لگے تو اس پر روزہ رکھنا ضروری نہیں ہے اسی طرح حاملہ عورت پر بھی روزہ رکھنا ضروری نہیں ہے۔ حاملہ عورت کو اگر روزہ رکھنے کی صورت میں اپنی یا بچے کی صحت کی طرف سے خطرہ لاحق ہو تو ایسی حاملہ کے لئے روزہ نہ رکھنا درست ہے پھر ان روزوں کی قضا لازم آئیگی۔

اسی طرح مرضعہ عورت کے لئے بھی روزہ نہ رکھنا جائز ہے خواہ وہ خود اس کا بچہ ہو یا کسی اور کے بچے کو مفت یا بااجرت دودھ پلاتی ہو بشرطیکہ اپنی صحت وتندرستی کی خرابی یا بچے کی مضرت کا خوف ہو کیونکہ حدیث شریف میں حاملہ اور مرضعہ کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے لیکن بلا ضرورت روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے:

عن أنس بن مالك الكعبي رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال:"إن الله وضع عن المسافر الصوم و شطر الصلوة وعن الحبلى والمرضع الصوم،،

ترجمہ:

اللہ تعالی نے مسافر کے لئے آدھی نماز معاف فرمادی ہے اور مسافر اور حاملہ اور دودھ پلانے والی کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے دی ہے۔

حاملہ اور مرضعہ عورت کے سلسلہ میں چاروں مسالک کے علماء کرام کا اجماع ہے کہ اگر حاملہ یا مرضعہ کو روزہ رکھنے کی صورت میں اپنی یا بچے کو نقصان کا خوف ہو تو اس کا روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

**غیر ایام حیض میں آنے والے خون کا حکم:**

وہ خون جو عادت سے زائد حیض کے دنوں میں جاری ہو اس کو حیض کا خون شمار نہیں کیا جائیگا بلکہ وہ رگ کا خون ہوگا تو ایسی عورت پر مستحاضہ عورت کا حکم لاگو ہوگا اور ایسی عورت نماز بھی پڑھے گی اور روزہ بھی رکھے گی ،(فتاوی اسلامیہ جلد/1 صفحہ/325)

اور اگر حیض کا غسل کرنے کے بعد دوبارہ خون آجائے اور جاری ہونے والا خون زرد یا خاکستری رنگ کا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائیگا اس کا حکم محض پیشاب کا سا ہے، لیکن اگر وہ خالص خون ہے تو اسے حیض ہی کا خون سمجھا جائیگا اور اس صورت میں ایسی عورت پر دوبارہ غسل کرنا ضروری ہوگا رسولؐ نے فاطمہ بنت ابی حبش سے فرمایا تھا۔

إذا كان دم الحيض فإنه دم اسود يعرف فإذا كان ذالك فأمسكي عن الصلوة فإذا كان الأخر فتوضى و صلى ،(اخرجه النسائى، كتاب الطهارة ،باب الفرق بين دم الحيض والإستحاضه)

**مستحاضہ عورت اور روزہ:**

جن خواتین کو دوران رمضان ایسا خون آئے جسکو حیض کا خون نہیں کہا جا سکتا تو ایسی عورت پر روزہ رکھنا فرض ہوگا اس لئے کہ استحاضہ کا خون کسی بھی وقت آسکتا ہے اسکا کوئی مخصوص و متعین وقت مقرر نہیں ہے کہ اس کے علاوہ دیگر اوقات میں عورت کو روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے اور اس سے بچنا بھی ممکن نہیں ہے لہٰذا استحاضہ کا خون روزہ کے منافی نہیں ہے (مجموع الفتاوی، جلد:25،صفحہ:251)

**مسافر عورت اور روزہ:**

رمضان کے مہینہ میں مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی گئی ہے خواہ وہ عورت ہو یا مرد لیکن اگر سفر میں روزہ رکھنے میں مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں البتہ نہ رکھنے کی صورت میں بعد میں اس روزہ کی قضا لازم آئیگی۔

**چھوٹی بچی اور روزہ:**

لڑکا یا لڑکی جب بالغ ہو جائے تو اس پر روزہ فرض ہو جاتا ہے لہٰذا لڑکی جب سن بلوغت کو پہونچ جائے اور بلوغت کی نشانیوں میں سے کوئی ایک نشانی ظاہر ہو جائے تو ایسی لڑکی کے لئے روزہ رکھنا واجب و ضروری ہو جاتا ہے خواہ اس کی عمر دس سال ہی کیوں نہ ہو (خواتین اور رمضان المبارک، صفحہ:45)

**خاوند والی عورت اور روزۂ رمضان:**

ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لاتصم المرأة وزوجها شاهد يوما غير شهر رمضان الا بإذنه"

ترجمہ:

"کوئی عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں روزہ نہ رکھے بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے سوائے رمضان کے روزے کے۔"

علماء نے اس ممانعت کو حرمت پر محمول کیا ہے یعنی روزہ رکھنا ایسی صورت میں حرام ہے اور خاوند کو اختیار دیا ہے کہ اگر عورت اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھ لے تو وہ اس روزہ کو توڑوا سکتا ہے لیکن یہ رمضان کے علاوہ نفلی روزوں کے بارے میں ہے رمضان کے روزوں کے سلسلے میں خاوند کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ ہیں رمضان کے روزہ سے متعلق خواتین کے خصوصی مسائل، اللہ سے دعا ہیکہ اس ماہ مبارک کو تمام لوگوں کے لئے خیر و برکت اور ہدایت کا ذریعہ بنائے اور ہم تمام لوگوں کو اس ماہ مبارک کی سعادتوں کو حاصل کرنے کی توفیق دے اور تمام مسلمانوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔۔۔آمین

***

**محترم قارئین**

بعض دشواریوں کی وجہ سے جنوری، فروری اور مارچ کا شمارہ منظر عام پر نہیں آسکا جس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ انشاءاللہ اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ مستقبل میں اس طرح کی صورتحال پیدا نہ ہو۔

# کاہلی

ابوالفیض فلاحی

موسم سرما ختم ہو چکا تھا۔ سورج کی تپش میں آئے دن اضافہ ہو رہا تھا۔ دن میں چلنے والی گرم ہوا سے اڑنے والے خشک پتے خزاں کی آمد کا پیغام دے رہے تھے۔ کورونا اور لاک ڈاؤن کے بعد زندگی آہستہ آہستہ معمول پر آرہی تھی۔ اسکول و کالج بھی وقفے وقفے سے کھلنے لگے تھے۔ راشد، ارقم، ارشد، فوزان اور خنساء کے بھی اسکول کھل گئے تھے لیکن ابھی وہ اسکول نہیں جارہے تھے۔ دادی جان سارے بچوں کو پڑھاتی تھیں اور خالی اوقات میں گھر کی عورتوں کے ساتھ مل کر کھیت سے آئے اناج کی صفائی ستھرائی میں لگ جاتی تھیں۔ موسم کی تبدیلی کے ساتھ ہی گھر کا ماحول بھی تبدیل ہو گیا تھا۔ بچے دن بھر کھیلنے کودنے میں لگے رہتے تھے لیکن رات میں جب پڑھنے کا وقت ہوتا تو سب کے سب اونگھنے لگتے تھے۔ دادی کے بار بار ڈانٹنے پر سب کی آنکھ کھلتی۔ فوزان کو سب سے چھوٹے ہونے کا فائدہ ملتا رہتا اور وہ اکثر مغرب بعد اوندھے منھ بستر پر پڑا رہتا، فرصت کی وجہ سے گھر کے لوگوں میں سستی بڑھتی جارہی تھی۔ آج کا کام کل پر ٹالنا معمول بن گیا تھا۔ دادی ان سب سے بہت چڑھتیں لیکن کسی سے کچھ نہ کہتی تھیں۔ کہانی سننے سنانے کا معمول پہلے جیسا ہی تھا۔

آج بھی گھر کے سارے بچے کہانی سننے کے لیے دادی جان کے پاس بیٹھتے تھے۔ فوزان جو اکثر پڑھائی کے وقت سو جاتا تھا وہ بھی دادی کے تخت کے پاس بیٹھا بڑے اطمینان سے دادی کو دیکھے جارہا تھا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ بڑی بے صبری سے دادی سے کہانی سننے کا منتظر تھا۔ اچانک دادی نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ بچو! آج میں تمہیں ایک کتے کی کہانی سناؤں گی جو اپنی کاہلی کے سبب بے موت مارا گیا۔

اتنا سننا تھا کہ ارقم نے کہا چنو چچا کے یہاں ایک نیا کتا آیا ہے۔ چچا لوگوں کو بتا رہے تھے کہ یہ ولایتی کتا ہے۔ دادی نے سب کو چپ کرایا پھر کہانی شروع کی۔

پرانے زمانے کی بات ہے کسی گاؤں کے کنارے ایک کتا کھلے آسمان کے نیچے زندگی گزار رہا تھا۔ وہ گرمی کے موسم میں بڑے سکون سے رہتا لیکن سردی میں ٹھنڈ سے پریشان ہو جاتا تھا۔ جب ٹھنڈ زیادہ لگتی تو اپنے لیے گھر بنانے کا منصوبہ تیار کرتا لیکن صبح ہوتے ہی کاہلی کی وجہ سے اپنا ارادہ ترک کر دیتا۔ ایک دفعہ سردی کے موسم میں ٹھنڈ کچھ زیادہ پڑی، وہ سردی کی تاب نہ لاسکا اور مر گیا۔ دادی اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ بچے کتے کے مر جانے پر افسردہ تھے۔

دادی نے بچوں سے پوچھا اس کہانی کا مطلب کیا ہے؟ تمام بچے ایک زبان ہو کر بولے اگر کتا گھر بنا لیتا تو نہ مرتا۔ دادی نے کہا۔ ہاں۔ سستی اور کاہلی کا انجام یہ ہوا کہ وہ بے موت مرا۔

دادی پھر سمجھاتے ہوئے بولیں! اپنے کام میں کاہلی نہیں کرنی چاہیے۔ صبح سویرے اٹھ کر نماز کے بعد ہی اپنے کام میں لگ جانا چاہیے۔ کام کو کل پر ٹالنا بے وقوفی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سستی اور کاہلی سے پناہ مانگی ہے۔ آپ ﷺ اس سے بچنے کی دعا بھی کرتے رہتے تھے۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فرصت کے اوقات کو مشغولیت سے پہلے غنیمت جانو، کہ سارے بچے جب کہانی کا مطلب سمجھ گئے تو انہوں نے عہد کیا کہ ہم سب ہمیشہ چاک و چوبند رہنے کی کوشش کریں گے۔

***

# عالم برزخ

شیر خالد

مردہ اپنی قبر سے

کیا شے ہے، کس اِمروز کا فردا ہے قیامت
اے میرے شبستانِ کہن! کیا ہے قیامت؟

الفاظ و معانی

شے: چیز، امروز: آج، فردا: آنے والا کل۔
شبستان: رات گزارنے کی جگہ، خواب گاہ، رات کی انجمن۔
کہن: پرانا۔

شرح:

مردہ اپنی قبر سے سوال کرتا ہے کہ قیامت کیا چیز ہے اور یہ کس آج کی ہونے والی کل ہے۔ اے میری قبر، اے میری خواب گاہ! قیامت کیا ہے۔

قبر

اے مردۂ صد سالہ! تجھے کیا نہیں معلوم؟
ہر موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت!

معنی

مردۂ صد سالہ: صدیوں پرانا مردہ، پوشیدہ: چھپا ہوا۔
تقاضا: ضرورت، لازمی انجام۔

شرح:

اے صدیوں سے پڑے ہوئے مردے! کیا تجھے معلوم نہیں کہ ہر موت کے پیچھے اس کی جو ضرورت ہے یا ہر موت کا جو چھپا ہوا لازمی نتیجہ ہے وہ قیامت ہے۔ یعنی ہر مرنے والے کو ایک دن حساب کتاب دینے کے لئے اٹھنا ہے، اس دن کا نام قیامت ہے یہ ایسا دن ہے جو ہر مرنے والے کو پیش آنا ہے۔

مردہ

جس موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت
اس موت کے پھندے میں گرفتار نہیں میں

معنی

پوشیدہ: چھپا ہوا، پھندہ: جال، گرفتار: پھنسا ہوا۔

شرح:

اے قبر جس موت کا چھپا ہوا لازمی نتیجہ یا ضرورت قیامت ہے اس جال میں میں گرفتار نہیں ہوں۔ میں وہ مردہ ہوں جو قیامت کے دن بھی اپنی قبر میں سویا رہے گا۔

ہر چند کہ ہوں مردۂ صد سالہ ولیکن
ظلمت کدہ خاک سے بیزار نہیں میں

معنی

ہر چند: اگرچہ، ظلمت کدۂ خاک: مٹی کے اندر تاریکیوں کا گھر۔
بیزار: اکتایا ہوا۔

شرح:

اگرچہ مجھے مرے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں لیکن میں اپنے مٹی کے اس تاریک گھر سے جس کا نام قبر ہے اکتایا ہوا نہیں ہوں۔ میں قیامت کے دن بھی اپنے قبر کے گھر کو نہیں چھوڑوں گا۔

(جاری)

***

# نقش دیوار

اف!! انسانیت کی بد بختی! وہ اللہ کی شریعت اور اس کے بھیجے ہوئے نظام سے گریزاں ہے! اس بد بختی کی ابتداء مغرب میں ظالم و جابر کلیسا سے اہل مغرب کے تنفر سے ہوئی! پھر یہ کلیسا کے خدا سے بھی متنفر ہوگئے کیونکہ خدا کے ہی نام پر کلیسا ہدایات وقوانین جاری کرتا، لوگوں پر غور وفکر کے دروازے بند کرتا اور کمر توڑ ٹیکسوں اور وحشیانہ ظلم واستبداد سے انکی زندگیاں تباہ کررہا تھا! جب لوگوں نے اس کابوس سے جو ان پر مسلط تھا، چھٹکارا پانا چاہا تو وہ کلیسا اور اس کے اقتدار سے آزاد ہوگئے! لیکن وہ حد اعتدال پر نہ رکے، انہوں نے کلیسا کے خدا اور اس کے اقتدار سے بھی چھٹکارا حاصل کرلیا! یہی نہیں، انھوں نے ہر اس دین سے، جو اللہ کے بھیجے ہوئے نظام حیات کے مطابق ان کی زندگی کی قیادت کرسکتا تھا، نجات حاصل کرلی! کتنی عظیم بد بختی اور مصیبت ہے۔

لیکن ہم لوگ، جو اسلام کے مدعی ہیں، ہمارا کیا حال ہے؟ ہم اللہ کی شریعت، اس کے قانون اور اس کے نظام حیات سے کیوں گریزاں ہیں! ہمارے صحیح اور سہل دین نے جو راستہ ہمارے لیے مقرر کیا ہے، اس سے ہماری بیڑیاں کٹیں اور ہم پر سے ہمارے بوجھ اترے ہیں اور اس سے ہم پر رحمت، ہدایت، سہولت و آسانی اور اس راستے پر استقامت کا فیضان ہوا ہے جو ہمیں خدا تک اور ارتقاء اور فلاح و کامرانی تک لے جاتا ہے۔

**سید قطب شہید**

# NUKUSH - E - RAH

RNI Number : MAHURD/2018/7738
Postal Reg No : G/Akl Dn/258/2019-21


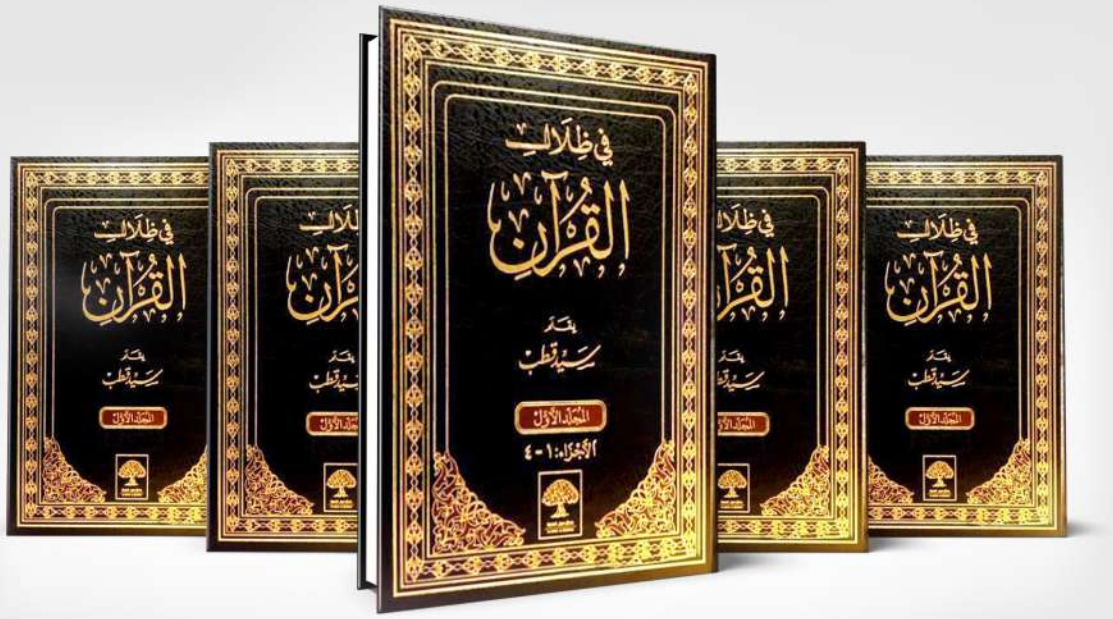


## فی ظلال القرآن

مصری عالم دین سید قطبؒ شہید کے ذریعہ زنداں (جیل) میں لکھی جانے والی عربی زبان کی مایاناز تفسیر کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کے ساتھ بذریعہ مولانا سید حامد علیؒ صاحب / مولانا مسیح الزماں فلاحی ندوی صاحب

اب ان شاء اللہ بہت جلد صرف 10 یا 11 جلدوں میں مزید آرائش و زیبائش کے ساتھ

- شُستہ ، شگفتہ اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر
- علمی ، فکری اور سائنٹفک تفسیر- دعوتی تربیتی اور انقلابی تفسیر- وجدانی اور ادبی تفسیر
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے بہترین تفسیر
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج و زوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو
- اسلامی جماعت کے کارکنان کیلئے بہترین مشعل راہ
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت اور پر کشش ٹائٹل

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کیلئے ضرور منگائیں۔

ORDER NOW

اپنا آرڈر بک کرائیں

موبائل 9599693655
ای میل gpddelhi2018@gmail.com


NUKUSH - E - RAH
1st Floor, Opp. Basera Apartm
Subbash Chowk, Akola, 44001

0724-243433
8266997613
nukusherah@gmail.com